دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
سرپرستی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
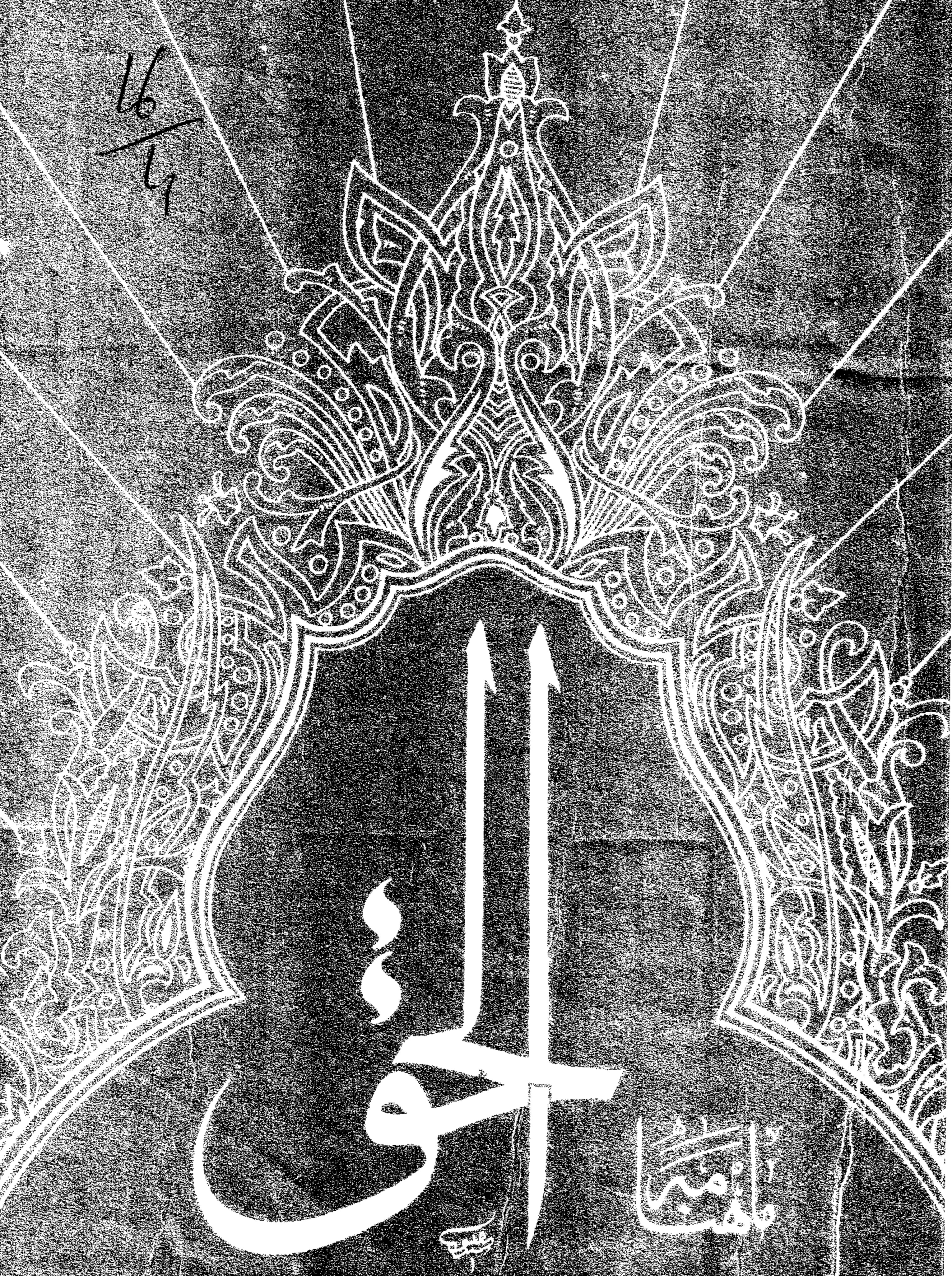
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

میں

زیر تعمیر دار الحفظ والتجوید کی عمارت

دارالعلوم حقانیہ میں حفظ قرآن کریم تجوید وقراءت کے شعبوں کو ترقی و توسیع دینے کا پروگرام عرصے سے زیر غور تھا کہ ایک عظیم الشان مستقل عمارت جو درسگاہوں اور اقامتی کمروں کے علاوہ تربیتی لوازمات پر بھی مشتمل ہو، اور جو ایک قسم کی دار التربیت کا کام بھی دے سکے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے دارالعلوم حقانیہ کے مغربی حصہ میں ایک الگ خطہ مخصوص کر دیا گیا اور پچھلے دنوں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے اس شاندار اور وسیع عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس وقت تعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے۔ تقریباً ۵ لاکھ روپے کی لاگت کا تخمینہ ہے۔ کلام خداوندی قرآن کریم کے ضبط و قراءت اور اشاعت و ترویج سے متعلق اس نہایت مقدس عمارت کی تعمیر میں اہل خیر حضرات حسب استطاعت جتنا بھی حصہ لے سکیں یا اپنی طرف سے کمرہ یا درسگاہ بنوا سکیں تو ان شاء اللہ تاقیامت صدقہ جاریہ رہے گا۔

اللہ کی راہ میں

بہتر سے بہتر مواقع انفاق کے متلاشی حضرات

کیلئے

یہ موقع غنیمت ہے

امدادی رقومات بھجواتے وقت دار الحفظ والتجوید کی تعمیری مد کی صراحت ضرور فرمائیں۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

پاکستان

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ -/۲۵ روپے - فی پرچہ ۲/۵۰ روپے
بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

مسوّدہ نفاذ قصاص و دیّت، شفعہ آرڈیننس

دارالعلوم حقّانیہ کی سفارشات و ترامیم

حکومت پاکستان نے نمبر ۳ (۲۱) (۲۲)/۸۰۔ آر بی۔ آئی آئی مجریہ ۳ ار دسمبر ۱۹۸۰ء کے تحت جرائم خلاف جسم انسانی (نفاذ قصاص و دیّت) اور مسودہ شفعہ آرڈر ۱۹۸۰ء کے مسودات قانون رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے مشتہر کئے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے ان مسودوں کو دارالعلوم حقانیہ کی تجاویز اور اصلاحی ترمیمات کے لئے بھیجا۔ چنانچہ دارالعلوم کے مفتی حضرت مولانا محمد فرید صاحب۔ نائب مفتی حضرت مولانا غلام الرحمان صاحب نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی رہنمائی، مشورہ اور موجودگی میں ان مسودوں پر از روئے فقہ و شریعت نظرثانی کی۔ اور جہاں جہاں قابل اصلاح چیز نظر آئی اسے قلم بند کر کے اسلامی نظریاتی کونسل کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ قانون شفعہ میں ۱۳ ترمیمات اور قانون دیت و قصاص میں ۹ سفارشات مجموعی ۲۲ ترامیم و تجاویز ارسال کی گئی ہیں۔

مذکورہ حضرات اکابر کے علاوہ اتفاق سے حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچی سے تشریف لائے تو انہوں نے بھی ان سفارشات پر نظر ڈالی۔ اور اس کی تائید کی۔ ان پیش کردہ تجاویز و سفارشات کو ہم افادہ عام کے لئے الحق میں شائع کر رہے ہیں۔ مسودہ کے بعض دیگر مقامات پر ہم اظہار خیال کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔

سمیع الحق

تجاویز متعلقہ مسودہ آرڈر نفاذ قصاص و دیت مجریہ ۱۹۸۰ء

بخدمت اقدس جناب چیئرمین صاحب اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد از سلام مسنون! آپ کے مرسلہ مسودہ آرڈیننس جرائم خلاف جسم انسانی نفاذ قصاص و دیت آرڈیننس ۱۹۸۰ء پر تفصیلی غور کیا گیا۔ چونکہ بعض دفعات، ایسے تھے جن کا تذکرہ مسودہ میں اجمالاً تھا۔ اور اس کا تفصیلی حوالہ تعزیرات پاکستان پر دیا گیا تھا۔ تعزیرات پاکستان اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہے۔

ہم ان کے متعلق اسلامی نقطہ نظر سے فی الوقت جواب دینے سے قاصر ہیں۔ جیسا کہ دفعہ ۳ (۱۰۵) الف (ب) (ج) (۱۰۶) ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۱۱، (۱) (۴) ۱۲۱ (۱) ۲۔ تعزیرات پاکستان سے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر دفعات کے متعلق تجاویز اور ترامیم پیش خدمت ہیں۔

۱۔ اس مسودہ میں تقریباً ۳۰ مقامات ایسے ہیں جہاں محض قید یا قید با مشقت جو مختلف مدتوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور یا بعض مقامات پر مختلف تعداد میں کوڑوں کی سزا بیان کی گئی ہے۔ تو اس کے متعلق گذارش ہے کہ یہ تمام سزائیں جو بیان کی گئی ہیں ان کے ساتھ ساتھ یہ تصریح ضروری کرنی چاہئے کہ یہ سزائیں محض تعزیرات ہیں جو حکومت کی سیاست اور مصلحت پر مبنی ہیں۔ ورنہ یہ سزائیں شرعی نہیں ہیں۔ جو کسی خاص نص کے تحت آتے ہوں۔ البتہ کوڑوں کی جو سزا جن مقامات پر ذکر ہے تو یہ چونکہ غیر منصوصی سزاؤں میں ایک شدید ترین سزا ہے۔ لہٰذا اس کے نفاذ میں نہایت احتیاط چاہئے۔ بصورت تعزیر دفع فساد کے لئے بعض مواقع پر اس کا اجرا کرنا چاہئے۔ تاکہ لوگوں کے لئے عبرت بنے لیکن کلیہ اس کو نہ بنایا جائے۔ مسودہ کے مندرجہ ذیل مقامات پر یہ سزائیں مذکور ہیں۔ دفعہ (۵) شق ب۔ ج دفعہ ۱۶ دفعہ ۲۱ ب دفعہ ۲۴ ا ب دفعہ ۳۵ الف۔ب ۳۷ ا ب دفعہ ۳۹ دفعہ ۴۳ ب ج دفعہ ۴۵ ب دفعہ ۴۷ ب دفعہ ۴۸ دفعہ ۵۱ ب دفعہ ۳۵ ب دفعہ ۵۸ دفعہ ۶۰ دفعہ ۶۲ دفعہ ۶۴، ۶۶، ۶۸، ۷۰، ۷۱ دفعہ ب ۸۱ – ۸۲ الف ۹۰ – ۹۱ – ۹۴ ج دفعہ ۹۵، ۹۷، الف ب دفعہ ۹۸ – ۱۰۹ – ۱۱۱

۲۔ چونکہ یہ آرڈیننس نفاذ قصاص و دیت سے تعلق رکھتا ہے اور شریعت میں قصاص و دیت کا قانون، حفاظت نفس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ مقرر فرمایا ہے لہٰذا اس میں حفاظت نفس کے جملہ پہلوؤں پر غور کرنا چاہئے۔ تاکہ مبادا کسی طریقہ سے مظلوم ورثا کی حق تلفی نہ ہو جائے۔

لہٰذا قاتلوں کا پورا پورا محاسبہ ہونا چاہئے۔ اور جو لوگ قاتلوں کی حمایت کرتے ہیں یا ان کو اپنے ہاں پناہ

دیتے ہیں۔ ان کے لئے بھی ازروئے مصلحت کوئی تعزیری قانون مقرر کیا جائے۔ اگرچہ پناہ دینے والے ایک قوم ایک قبیلہ یا ایک خاص علاقہ یا حکومت کے بعض افراد ہی کیوں نہ ہوں۔ اور نیز ان علاقوں میں بھی قاتلوں کو گرفتار کرنا چاہئیے جو علاقے پولیٹیکل ایجنٹ کی زیر نگرانی ہوں جہاں قاتل مفرور ہو کر پناہ لے لیتا ہے۔

۳۔ اس مسودہ کے صفحہ ۲ دفعہ ۲ کا شق (ج) میں جہاں بالغ کی تعریف کی گئی ہے[1] اس میں کچھ اضافہ ضروری ہے اور تعریف یوں ہونی چاہئیے۔

کہ بالغ سے مراد ہر وہ مرد وزن ہے جس پر علامات بلوغ ظاہر ہوئی ہوں۔ مثلاً احیال۔ حمل یا موئے زیر ناف کا ہونا۔

اور یا عورت سترہ سال اور مرد اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ چکا ہو۔[2]

اور مذکورہ دونوں صورتوں میں سے ہر اس صورت کو اعتبار دیا جائے گا جو صورت پہلے وقوع پذیر ہو۔

۴۔ صفحہ ۴ دفعہ ۴ کی تشریح۔

میں جہاں گلا گھونٹنے کی صورت کو قتل عمد کی صورتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ وہاں یہ تصریح کرنی ضروری ہے[3] کہ اس گلا گھونٹنے کی صورت میں قاتل کا قتل حداً نہیں ہوگا۔ بلکہ سیاستہً ہوگا۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۵

ولو خنق رجلاً لا یقتل الا اذا کان الرجل خناقا معروفا خنق غیر واحد فیقتل سیاسۃً

اور اگر کسی کا گلا گھونٹا گیا تو اس قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اگر قاتل مشہور گلا گھونٹنے والا ہو جس نے اس کے علاوہ دو لوگوں کے گلے بھی گھونٹے ہوں تو پھر اس کو از روئے مصلحت سیاستہً قتل کیا جائے گا۔

۵۔ مذکورہ بالا صفحہ ۴ دفعہ ۴ کے مذکورہ شق میں زہر لانے کی صورت میں جو قتل عمد میں شمار کیا گیا ہے اس کے متعلق یہ واضح کرنا چاہئیے۔

---

[1] سرکاری مسودہ میں بالغ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ جو شخص ۱۸ سال یا بلوغت کی عمر کو پہنچ چکا ہو الخ

[2] یہ امام صاحب کا مذہب ہے۔ صاحبین کے نزدیک ہر دونوں کے لئے پندرہ سال تک پہنچنا عمر بلوغت ہے۔

[3] یعنی گلا گھونٹنے اور مطلق زہر پلانے کو قتل عمد کہنا صحیح نہیں ہے البتہ بعض صورتوں میں ایسے شخص کو تعزیراً قتل کیا جاسکتا ہے واضح رہے کہ شرعی اصلاحات حد اور تعزیر کو بدلنا اور مخلوط کرنا مستقبل میں بہت ہی خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔

" کہ اس سے زہر دلانا مراد ہے۔ جیسے پلانے والے نے زور اور جبر کرکے یا بالاکراہ پلایا ہو تو پھر اس میں قصاص اور دیت دونوں نہیں ہیں۔ البتہ حکومت اس صورت میں بھی دفع فساد کے لئے از روئے مصلحت سیاستہً تعزیر دے سکتی ہے۔

جیساکہ عالمگیری جلد سادس ص۴ میں تصریح ہے۔

و اذا ناوله فشرب من غير ان اكره عليه لم يكن عليه قصاص ولا دية سواء علم الشارب بكونه سماً اولم يعلم	اور جب کسی کو زہر دے کر بغیر کسی زور اور جبر کے پلایا ہو تو اس پر اس صورت میں قصاص اور دیت دونوں واجب نہیں ہے۔ اگرچہ پینے والے کو اس کے زہر ہونے کا علم ہو یا نہ ہو۔

ص۱۲ دفعہ ۱۴۱ میں قاتل کو بصورت عفو یا صلح کے بعد تعزیراً قتل کرنے میں نہایت ہی احتیاط کرنا چاہئے تاکہ غیر اسلامی قوانین بالخصوص یہودیت سے امتیاز ہو۔

۶۔ ص۱۷ دفعہ ۲۰۸ میں قتل کی صورت میں قاتل کو وراثت سے محرومی کا جو حکم بیان کیا گیا ہے اس میں یہ ضروری ہے کہ یہ قتل عمد۔ شبہ عمد۔ خطاء۔ جار مجری خطا کی صورت میں ہے۔ یعنی ان چار صورتوں کے قتل کی صورت میں قاتل مقتول کی وصیت یا حق وراثت سے محروم رہے گا۔ اور قتل بسبب کی صورت میں قاتل مقتول کی وراثت سے محروم نہیں رہے گا۔ جیساکہ کسی نے اپنی ملکیت کے علاوہ کسی دوسرے جگہ میں کنواں کھودا۔ اور کوئی شخص اس کنوئیں میں گر کر ہلاک ہوگیا تو اس کو قتل بسبب کہا جائے گا جس میں قاتل مقتول کی وراثت سے محروم نہیں ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری جلد سادس ص۳

و اما القتل بسبب فمثل حفر البير ووضع الحجر فى غير ملكه و موجبه اذا تلف به ادمى الدية على العاقلة ولايتعلق به الكفارة ولا حرمان الميراث عندنا	اور قتل بسبب جیساکہ کسی نے اپنی ملکیت کے علاوہ دوسری جگہ میں کنواں کھودا۔ یا کسی اپنی ملکیت کے علاوہ دوسری جگہ میں کوئی پتھر رکھا اور اس کی وجہ سے کوئی شخص ہلاک ہوا۔ تو اس میں بصورت ہلاکت انسان قاتل کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔ اور ہمارے مذہب میں اس میں کفارہ اور وراثت سے محرومی نہیں ہے۔

۷۔ ص۴۶ دفعہ ۳۱۱ میں سزائے موت کی توثیق کا اختیار جس عدالت مرافعہ کو دیا گیا ہے اس میں یہ تصریح ضرور کرنی چاہئے۔ کہ بشرطیکہ اس عدالت مرافعہ کا فیصلہ بھی شرعی ہو۔

۸۔ صہ ۴۸ دفعہ ۱۲۳ کے آخر میں یہ اضافہ کرنا چاہئے۔
" نیز خاص اور معتمد علیہ اداروں اور اہل حل وعقد سے بھی رائے طلب کرنی چاہئے۔"

۹۔ کہ مذکورہ دفعات میں جہاں جرمانہ کا ذکر آیا ہے۔ وہاں جرمانے سے مراد تعزیر بالضرب یا بالحبس مراد ہو نہ کہ تعزیر بالمال یہ موجودہ مروجہ جرمانہ ایک غیر شرعی امر ہے۔

تجاویز متعلقہ مسوّدہ شفعہ آرڈر مجریہ ۱۹۸۰ء

آپ کے مسوّدہ حصہ سوم کے مسودہ شفعہ آرڈر مجریہ ۱۹۸۰ء کے بعض دفعات کے متعلق چند اہم تجاویز اسلامی نقطۂ نظر سے ارسال خدمت ہیں لیکن واضح ہو کہ یہ تجاویز صرف ان دفعات کے متعلق ہیں جو دفعات مفصل اور غیر مخدوش ہیں۔ ورنہ جو دفعات ہمارے لئے قابل فہم نہ تھے ان دفعات کے متعلق ہم جواب اور رائے ظاہر کرنے سے قاصر ہیں۔

مثال کے طور پر صہ ۲ پیرہ دفعہ ۲ کا شق (۳) اور ایسا ہی صہ ۹ دفعہ ۲۰ میں شق ۷ مخدوش اور مبہم ہیں جو ہمارے لئے قابل فہم نہیں ہیں، اس لئے ان کے متعلق ہم رائے نہیں دے سکتے ہیں اور نیز ان دفعات کے متعلق بھی ہم رائے نہیں دے سکتے جن کا تذکرہ مسودہ میں اجمالاً ہے اور تفصیلی حوالہ تعزیرات پاکستان پر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ صہ ۱۲ پیرہ دفعہ ۳۰ کا مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء کا ایکٹ ۴۳ اور اسی صفحہ کے دفعہ ۳۱ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء ایکٹ ۵ صہ ۱۳ پیرہ دفعہ ۳۳ میں قانون میعاد سماعت ۱۹۰۸ء کا ایکٹ ۹ میں شامل امور اور صہ ۱۴ کا دفعہ ۳۶ کے شق الف اور شق ۳ ۔ ان دفعات سے تعلق رکھتے ہیں جن کے مجمل ہونے کی وجہ سے ہم ان کے متعلق اسلامی نقطۂ نگاہ سے رائے دینے سے قاصر ہیں۔ اس لئے کہ تعزیرات پاکستان اس وقت ہمارے سامنے نہیں اس کے علاوہ دیگر غیر مبہم اور تفصیلی دفعات کے متعلق تجاویز پیش خدمت ہیں۔

۱۔ مسودہ حصہ سوم کے صہ ۲ پیرہ دفعہ ۲ کے شق ۴ میں
کسی جائیداد غیر منقولہ کا بہتر انتظام کی غرض سے یا جائز طریقہ سے ذاتی استعمال میں لانے کے لئے تبادلہ کرنے کی صورت میں اگر تملیک و تملک کی حیثیت اور غرض سے ہو۔ تو پھر اس صورت کو حق شفعہ سے مستثنیٰ کرنا از روئے شرع درست نہیں بلکہ یہ بھی ان صورتوں میں سے ہونا چاہئے جن میں حق شفعہ شفیع کے لئے ثابت ہے۔

۲۔ صہ ۲ پیرہ دفعہ ۲ کے شق (د) کے آخر میں[ل] یہ اضافہ بھی ضروری ہے کہ شفعہ اس جائیداد میں بھی واجب ہو گا جو

[ل] آرڈیننس کے مسودہ کی عبارت میں صلح کی یہ صورتیں جن میں شرعاً شفعہ ثابت ہے مذکور نہیں ہیں۔

جائیداد کسی صلح کی صورت میں اقرار۔ انکار یا سکوت میں دیا جائے اور یا کسی جائیداد غیر منقولہ سے اقرار کی صورت میں صلح ہو جائے۔ اس کے لئے حوالہ ملاحظہ ہو۔

و تجب الشفعہ فی الدار التی ھی بدل الصلح سواء کان الصلح عن الدار عن اقرار او انکار او سکوت و کذا تجب فی الدار المصالح عنھا عن اقرار	اور شفعہ اس جائیداد غیر منقولہ میں بھی واجب ہو گا جو جائیداد کسی صلح کی بدل میں دیا جائے خواہ یہ صلح اقرار۔ انکار یا سکوت کی صورت میں ہو اور نیز شفعہ اس جائیداد میں بھی واجب ہو گا جس جائیداد سے اقرار کی صورت میں صلح ہو جائے۔
فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ صہ ۱۶۰	

۳۔ صہ ۷ دفعہ ۱۳ پر طلب مواثبت کی تعریف" مجلس" کے ساتھ یہ اضافہ بھی ضروری ہے۔ اگرچہ اس مجلس میں یہ شفیع اکیلا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ طلب مواثبت شفیع کے لئے اس کے مطلع ہونے کے فوراً بعد ضروری ہے۔ اس طلب میں اس کے لئے کسی دوسرے لوگوں کے سامنے موجود ہونا ضروری نہیں اس کے لئے حوالہ ملاحظہ ہو۔

رد المختار علی الدر المختار المعروف بشامی جلد خامس صہ ۱۴۳

وفی القہستانی یجب الطلب و ان لم یکن عندہ احد لئلا تسقط الشفعۃ دیانۃ و لیتمکن من الحلف عند الحاجہ کما فی النہایہ	(اور یہ طلب مواثبت اس کے لئے) ضروری ہے اگرچہ اس کے ہاں کوئی بھی موجود نہ ہو۔ تاکہ اس کا حق شفعہ دیانۃ ساقط نہ ہو جائے اور بوقت ضرورت قسم کھانے میں بھی سچا ہو کر قسم کھا سکے۔

۴۔ ایسا ہی مذکورہ صفحہ ۷ کے دفعہ ۱۳ کے شق ۳ میں یہ تصریح کرنی بھی ضروری ہے۔ کہ طلب اشہاد شفیع کے ذات سے خاص نہیں ہے بلکہ یہ طلب اشہاد شفیع بذات خود یا بوقت ضرورت رسالۃ یا وکالۃ بھی کر سکتا ہے اس کے لئے ملاحظہ ہو خلاصۃ الفتاویٰ جلد رابع صہ ۴۵۶

اذا باع رجل و علم بالشراء و ھو فی طریق مکۃ فطلب طلب المواثبۃ و عجز عن طلب الاشھاد بنفسہ یوکل اخر حتی یطلب الشفعہ فلو لم یفعل و مضی المدۃ بطلت شفعۃ

اور ایسا ہی درمختار ج ۵ صہ ۶۶۳ میں ہے۔

وهذا الطلب لابد منه حتى لو تمكن ولو بكتاب او رسول ولم يشهد بطلت شفعته	یہ طلب اشہاد شفیع کے لئے ضروری ہے یہاں تک کہ یہ طلب اشہاد کسی خط یا کسی آدمی کو بھیج کر بھی ممکن ہو اور شفیع طلب نہ کرے تو اس کا حق شفعہ باطل ہو گا۔

اور نیز اس دفعہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ طلب اشہاد۔ بائع یا مشتری یا مبیعہ۔ ہر تینوں میں سے کسی ایک کے ہاں جو بھی اس کو میسر ہو کر سکتا ہے۔ البتہ بائع کے ہاں اس وقت طلب اشہاد کرے گا۔ جب تک مبیعہ اس کے ہاں موجود ہو۔ جب کہ مذکورہ دفعہ ۱۳ میں صرف مبیعہ (جائداد غیر منقولہ) کے ہاں طلب اشہاد کی کفایت پر تصریح نہیں کی گئی ہے۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو درمختار ج ۵ صہ ۶۶۲

ثم يشهد على البائع لو العقار فى يده او على المشترى وان لم يكن ذا يد لانه مالك او عند العقار	اور پھر شفیع یہ طلب اشہاد بائع کے ہاں کرے گا اگر مبیعہ اس کی ملکیت میں ہو۔ اور یا مشتری کے ہاں کرے گا۔ اگرچہ یہ مبیعہ اس کے ہاں موجود نہ ہوں کیونکہ وہ مالک ہے۔ اور یا جائداد غیر منقولہ کے ہاں کرے گا۔

۵۔ ایسا ہی اسی صفحہ ۷ کے دفعہ ۱۳ کے عنوان تشریح کے شق ۴ میں اضافہ بھی ضروری ہے کہ شفیع ہر دونوں کو طلب کرنے کے بعد جائداد غیر منقولہ کے لینے کے لئے عدالت سے رجوع بغیر کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ کے اندر اندر ضرور کرے گا۔ اور اگر بلا کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ میں دعویٰ دائر نہ کرے تو اس کا حق شفعہ اس ایک مہینہ سے زائد تاخیر کی وجہ سے باطل ہو گا۔

اس کے لئے ملاحظہ ہو۔ رد المختار علی الدر المختار المعروف بالشامی جلد خامس صہ ۱۴۴

وفى الجامع الخانى الفتوى اليوم على قول محمد لتغير احوال الناس فى قصد الاضرار	لوگوں کے اپنے حقوق کے مطالبہ میں اصرار کو مدنظر رکھتے ہوئے آج کل فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے کہ بغیر کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ سے زائد تاخیر کی وجہ سے حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے۔

تاہم بصورت کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ سے زائد تاخیر کی صورت میں بھی حق شفعہ باطل نہیں ہو گا۔ جیسا کہ شامی کے مذکورہ صفحہ ۱۴۴ ج ۵ مذکورہ عبارت۔ سے چند سطر قبل علامہ شامی رقم طراز ہیں:۔

فلو عذر، او سفر او عدم قاض یری الشفعة بالجوار فی بلدہ لاتسقط اتفاقا	اور بصورت واقعی عذر ہونے کے مثلاً بیماری یا سفر یا اس علاقہ میں قاضی کے نہ ہونے کی وجہ سے جو شفعہ بالجار کر سکے۔ تو ان صورتوں میں مہینہ سے زائد مدت بقدر عذر تاخیر کرنے سے بالاتفاق حق شفعہ باطل نہیں ہوگا۔

بنابریں صورت صفحہ ۱۳ کے دفعہ ۳۴ پر میعاد سماعت جو کہ (۹۰) ساٹھ دن مقرر کی گئی ہے۔ اگر اس میعاد سماعت سے مراد طلب خصومت یعنی عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کا وقت مراد ہو تو پھر بلا عذر ساٹھ دن تک تاخیر کرنے کے باوجود حق شفعہ کا باطل نہ ہونا مفتی بہ قول سے مخالف ہے۔ کیونکہ مفتی بہ قول صرف ایک مہینہ تک ہے۔ اور اگر میعاد سماعت سے مراد حاکم کے لئے فیصلہ کرنے کی مدت مراد ہو تو پھر شریعت میں تحدید نہیں ہے۔ بلکہ جتنا ممکن ہو سکے قاضی یا حاکم فیصلہ کر سکے گا[1]

۶۔ صفحہ ۸ کے دفعہ ۱۶ کے آخر میں یہ اضافہ بھی ضروری ہے۔

گویا اسے یہ اراضی بائع اور مشتری کے مابین معاہدہ بیع کی صورت میں ملی ہے۔ لہٰذا اس پر احکام بیع۔ خیار رویت۔ خیار عیب اور عندالاستحقاق شفیع کے لئے رجوع بالثمن کا حق بھی ثابت ہوگا۔ البتہ ضمان غرور کا مطالبہ بصورت استحقاق شفیع نہیں کر سکتا۔ اس لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ جلد خامس ص ۱۷۶

و اذا قضی القاضی اواسلم المشتری تثبت بینہما احکام البیع من خیار رویۃ و خیار عیب والرجوع بالثمن عند الاستحقاق الا ان الشفیع لایرجع بضمان الغرور۔	اور جب قاضی یا حاکم شفیع کے حق میں فیصلہ کرے یا مشتری برضا خود مبیعہ شفیع کو چھوڑ دے تو اب شفیع اور بائع کے درمیان یہ ایک معاہدہ بیع تسلیم ہوگا۔ اور اس پر احکام بیع جاری ہوں گے۔

جس کی رو سے شفیع کے لئے خیار رویت۔ خیار عیب اور بصورت استحقاق رجوع بالثمن کا حق حاصل ہے۔ البتہ شفیع بائع پر بصورت استحقاق ضمان غرور کا حق رجوع نہیں رکھتا ہے۔ یعنی شفیع بائع سے ضمان غرور[2] کے مطالبہ کا مجاز نہیں ہے۔

[1] سرکاری مسودہ میں ساٹھ دن کی میعاد سماعت مقرر کی گئی ہے جب کہ یہ میعاد نہ کسی آیت میں ہے نہ حدیث میں اور نہ ہی کسی فقیہہ کا قول ہے۔ شرعاً اس کی یہ تفصیل ہے جو تبصرہ میں ذکر کی گئی ہے [2] مسودہ میں معاہدہ بیع کو مطلق رکھا گیا ہے جب کہ شرعاً غرور اس سے مستثنیٰ ہے۔

۷۔ صفحہ ۸ کا دفعہ ۱۰میں شفیع کی موت کی صورت میں حق شفعہ شفیع کے قانونی ورثا کو منتقل کرنا خلاف فقہ حنفی ہے۔[۱] بلکہ قاضی یا حاکم کا اس شفیع کے حق میں فیصلہ کرنے سے قبل اگر شفیع مرجائے تو اس کا حق شفعہ باطل ہو کر شفیع کے ورثا کو منتقل نہیں ہو گا۔ البتہ مشتری کی موت سے حق شفعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ملاحظہ ہو فتاوی عالمگیری جلد خامس صہ ۱۸۲

و اما الضرذى فنحوان يموت الشفيع بعد الطلبين قبل الاخذ بالشفعه فتبطل شفعته و هذا عندنا ولا تبطل بموت المشتري و للشفيع ان ياخذ من وارثه

اگر شفیع دونوں طلب (طلب مواثبت و طلب اشہاد) کر کے فیصلہ کرنے سے قبل فوت ہو جائے تو اس کے موت سے اس کا حق شفعہ باطل ہو گا۔ اور اس کے قانونی ورثا کو منتقل نہیں ہو گا۔ اور یہ ہمارا مذہب ہے۔ البتہ مشتری کے مرنے سے حق شفعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ شفیع مشتری کے ورثا سے یہ جائداد شفعہ سے لے سکتا ہے۔

نیز مذکورہ آرڈر کے صفحہ ۹ دفعہ ۲۰ سے بھی یہ دفعہ متصادم ہے کیونکہ اس دفعہ میں وہاں پر تصریح ہے کہ حق شفعہ ناقابل انتقال اور ناقابل تقسیم ہے۔

۸۔ صفحہ ۹ کے دفعہ ۲۴ کے شق ۲ میں کسی قانون کے ساتھ شرعی قانون کا اضافہ ضروری ہے لہذا پھر اصل عبارت یوں ہوگی۔

اور یا مقام مقتدرہ نے کسی شرعی قانون کے تحت حاصل کر لی ہو اس پر شفع کا دعوی نہیں ہو گا۔

۹۔ صفحہ ۱۰ دفعہ ۲۴ میں مدعی سے زر شفعہ جمع کرنے کا جو لزوم رکھا گیا ہے اور بصورت عدم ادائیگی زر شفعہ جمع نہ کرنے کی صورت میں دعوی شفعہ کا خارج کرنا شریعت کے موافق نہیں ہے۔ کیونکہ زر شفیع سے جمع کرانا شریعت میں تو مطلوب نہیں ہے اور برائے اعتماد عدالت کی استصواب رائے میں ممنوع نہیں ہے۔ لیکن اعتماد کی صورت صرف زر شفعہ کے جمع کرنے سے مختص نہیں ہے۔ بلکہ اگر شفیع کسی دوسرے ذرائع سے عدالت کو مطمئن کر کے اسے صرف کفیل دے دے تو پھر بھی دعوی شفع صحیح ہو گا۔ قاضی یا حاکم اس کا باقاعدہ سماعت کر کے فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور بصورت زر شفعہ جمع نہ ہونے کے دعوی خارج نہیں ہو گا۔ تاہم شفیع کو عقار کا قبضہ بغیر زر شفعہ کے وصولی سے نہیں دیا جائے گا۔ ملاحظہ ہو فتاوی عالمگیری جلد خامس صہ ۱۷۶

---

[۱] جس ملک کے ۹۰ فیصد سے زائد آبادی حنفی ہو وہاں اس کی مخالفت یقیناً مذہبی مداخلت کے مترادف ہے۔

ولا یلزم الشفیع احضار الثمن وقت الدعوی بل یجوز المنازعة و ان لم یحضر الثمن الی مجلس القاضی فاذا قضی له با الشفعه له احضار الثمن ـ ولو دفع الثمن بعد ما قال ادفع الثمن الیه لا تبطل بالاجماع ۔	شفیع پر دعوی شفعہ کے وقت زر شفعہ قاضی یا حاکم کے ہاں جمع کرنا ضروری نہیں ہے ۔ کیونکہ بغیر زر شفعہ کے حاضر کرنے کے دعوی کی سماعت کر سکتا ہے ۔ البتہ فیصلہ کے بعد شفیع پر زر شفعہ جمع کرنا ضروری ہے ۔ (اور چند سطر کے بعد فرماتے ہیں) اور اگر شفیع وعدہ کرکے وقتی طور پر زر شفعہ جمع نہ کرائے تو پھر بالاتفاق اس کا حق شفعہ باطل نہیں ہوگا

۱۰۔ صفحہ ۱۲ کے دفعہ ۲۹ پر

مذکورہ اداروں کو حق شفعہ کے اسقاط کا جو حق دیا گیا ہے اس میں چونکہ حق تلفی کا بہت قوی امکان ہے لہٰذا یہ اختیارات مذکورہ اداروں کو نہیں دینا چاہیئے ۔ بلکہ صفحہ ۹ پر دفعہ ۲۲ کے تحت جو استثنا کیا گیا ہے اس ہی پر اکتفا کرنا چاہیئے ۔

۱۱۔ صفحہ ۱۳ دفعہ ۳۴ پر

اطلاع نامہ کی صورت میں صرف اطلاع عامہ کو کافی نہ سمجھا جائے ۔ بلکہ اطلاع عامہ کے علاوہ رجسٹری منظور کرنے والا رجسٹرار یا انتقال کی تصدیق کرنے والا مال افسر یا ان کا نمائندہ رجسٹری یا انتقال کی اطلاع شریک خلیط اور جار کو خصوصی طور پر رجسٹری یا ہرکارے کی وساطت سے دینا ضروری قرار دیا جائے ۔ کیونکہ صرف اطلاع عامہ کی صورت میں حق تلفی کا قوی امکان موجود ہے ۔ نیز مذکورہ اطلاع کو ایک ہفتہ تک محدود رکھنا صرف عدالت کی رائے ہے ۔ ورنہ شریعت میں یہ تحدید نہیں ہے ۔

۱۲۔ صفحہ ۱۵ کی دفعہ ۳۶ کے شق ۶ میں اس آرڈر کے اجرا سے قبل کیئے ہوئے معاہدہ بیع کی قابل سماعت ہونے کے لئے صرف (۶۰) دن مقرر کرنا بھی ذاتی رائے معلوم ہوتی ہے ۔ تو غیر شرعی قانون کو شرعی قانون کا نام دینا بہت ہی خطرناک ہے ۔

۱۳۔ مذکورہ صفحہ ۱۵ کے دفعہ ۳۶ کے شق ۴ (۵) کے تحت اس قانون سے جن مقدمات کو مستثنیٰ کیا گیا ہے یہ بھی محض عدالت کی اپنی رائے ہو سکتی ہے ورنہ بہتر تو یہ ہے کہ تمام مقدمات کا فیصلہ شرعی لحاظ سے ہو جائے ۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ

پندرھویں صدی ہجری

ماضی وحال کے آئینہ میں

— ایک تبصرہ
— ایک جائزہ
— ایک پیغام

اگر اس مختصر مقالہ میں (جو اصلاً ایک تقریر کی شکل میں تھا) کسی صاحب نظر کو کوئی خلا یا نقص نظر آئے یا کسی اہم شخصیت یا ادارہ کا نام نہ ملے تو اس کو سمجھنا چاہیے کہ یہ پچھلی صدیوں میں اصلاحی وتجدیدی کوششوں، اور اسلامی جدوجہد کی مفصل روداد، یا اہم دینی واصلاحی شخصیتوں یا تحریکوں کی ڈائرکٹری نہیں ہے، یہ چند آخری صدیوں کی اصلاحی کوشش کا مختصر تذکرہ اور ایک مختصر جائزہ ہے اور اس کا پیغام ہے کہ ؎ تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

اب وہ راقم سطور کیطرف سے محض سال نو کا ایک تحفہ ہی نہیں، نئی صدی کا ایک تحفہ، اور اس کے لئے ایک پیغام ہے، امید ہے کہ ان خامیوں سے چشم پوشی کی جائے گی، جو ایک تقریر اور مضمون میں ہوتی ہیں۔ اور اس مخلصانہ تحفہ کو قبول کیا جائے گا۔

ابوالحسن علی ندوی

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس وقت دنیا میں پندرھویں صدی ہجری کی آمد آمد کا چرچا ہے، اس صدی کا آغاز محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعۂ ہجرت سے ہوتا ہے، عام طور پر صدیوں کا آغاز کسی بڑی شخصیت کی پیدائش یا وفات، قیام سلطنت یا عظیم فتوحات سے ہوا ہے[1]، اور اس سے ایک مستقل تقویم (جنتری) وجود میں آئی ہے۔ لیکن اسلام کی یہ خصوصیت

[1] مثلاً عیسوی تقویم (جنتری) جو ساری دنیا میں رائج ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی طرف منسوب ہے، بکرمی جنتری کی جو ہندوستان میں رائج تھی، نسبت بکرماجیت بادشاہ کی طرف ہے، ایران میں اور زردشتیوں کے یہاں یزدگرد ثالث کے دو سنہ مستعمل تھے، ایک اس کی تخت نشینی سے شروع ہوتا تھا۔ دوسرا اسکی موت سے، گریگورین کیلنڈر پوپ گریگوری سیزدہم کی طرف منسوب ہے جو ۱۵۸۲ء سے (باستثنائے روس ویونان) تمام یورپ میں جاری ہے۔

ہے کہ اس نے اپنے دین کا نام بھی اپنے پیغمبر کے نام پر نہیں رکھا، بلکہ پیغام پر رکھا ہے، اسلام کسی شخصیت کا نام نہیں ہے، اسلام ایک فیصلہ اور طرزِ عمل کا نام ہے، یعنی خدا کے احکام کے سامنے سر جھکا دینا، یہی خصوصیت اس صدی کی ہے، اس صدی کا آغاز بھی، کسی بڑی شخصیت، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب و محترم شخصیت سے بھی نہیں ہوتا، جو مسلمانوں کے عقیدہ اور نظر میں اللہ کے بعد سب سے محبوب و محترم شخصیت ہے۔ ؏

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن نہ آپؐ کی پیدائش سے اس صدی کا تعلق ہے، اور نہ آپ کی وفات سے، حالانکہ دونوں دنیا کے اہم ترین واقعات ہیں، بلکہ آپ کے واقعۂ ہجرت سے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ نئی اسلامی صدی شروع ہوگی تو ایک پیغام سے کر آئیگی، وہ محض ایک شخصیت یا جماعت کی یاد تازہ نہیں کرتی، بلکہ ایک پیغام کی یاد تازہ کرتی ہے، یعنی یہ کہ آپؐ نے ایک عظیم مقصد کے لئے اپنے عزیز وطن کو خیرباد کہا، اور ایک نئے شہر میں بود و باش اختیار کی، یہ بات ایک پیغام، اور ایک بڑے اقدام کو یاد دلاتی ہے۔ آپ نے اتنا بڑا اقدام اپنی یا اپنے چند دوستوں اور ساتھیوں کی جان بچانے کے لئے نہیں کیا تھا، بلکہ خدا کے پیغام کو محفوظ کرنے اور اسکو ساری دنیا تک پہنچانے کا موقع مہیا کرنے کے لئے کیا تھا، تو یہ صدی ہم کو یاد دلاتی ہے۔ کہ کسی عظیم مقصد کے لئے عزیز سے عزیز چیز کو چھوڑا جا سکتا ہے، اور اتنا بڑا اقدام کیا جا سکتا ہے، دنیا کی تاریخ میں یہ ایک ہمت افزا اور حیات آفریں پیغام ہے، جو ہمت دلاتا ہے کہ کوئی چیز خواہ کیسی ہی نرالی اور کیسی ہی اجنبی ہو، اور اسکی راہ میں کیسی ہی رکاوٹیں اور دشواریاں پیدا کی جائیں، اور کیسے ہی ناسازگار حالات ہوں۔ اور اس کو کیسی ہی شدید مخالفتوں اور عداوتوں کا سامنا کرنا پڑے۔ اگر اس سے انسانیت کی فلاح مقصود ہے، نیت میں خلوص ہے، اور ارادہ میں عزم و پختگی، تو ساری مخالفتوں کے باوجود وہ پیغام زندہ رہے گا، اور اسکی قسمت میں کامیابی و کامرانی لکھی ہوئی ہے۔

اس لئے یہ پندرھویں صدی صرف مسلمانوں ہی کو ہمت کا پیغام نہیں دیتی، بلکہ پوری نوعِ انسانی کو اور ان سب لوگوں کو جو کوئی صحیح مقصد رکھتے ہیں، کسی مفید دعوت کے علمبردار ہیں، کسی اچھی بات کے لئے جد و جہد کرنا چاہتے ہیں، کسی عظیم مقصد کے لئے وہ کھڑے ہوتے ہیں، ان سب کے لئے حیاتِ نو کا پیغام ہے۔

لیکن یہ پندرھویں صدی مسلمانوں اور بالواسطہ انسانیت کے حق میں مبارک ثابت ہوگی، یا (خدانخواستہ) منحوس و نامبارک؟ اس کا فیصلہ ابھی نہیں ہو سکتا، وہ چند فیصلے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں طے شدہ ہیں اور وہ قرآنی حقیقتیں اور صداقتیں جو ابدی ہیں، ان میں سے ایک حقیقت یہ ہے کہ:

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ اور انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔

(سورۃ النجم - ۳۹)

انسان کو اپنی زندگی اور زندگی کے بعد کی زندگی میں اتنا ہی حصہ ملتا ہے جس کی اس نے کوشش کی، اس کے حصے میں اسکی سعی آئے گی، اور سعی کے نتائج آئیں گے، اس کے بعد فرماتا ہے:

وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى۔ (سورۃ النجم۔۴۰) اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھ لی جائے گی۔

یہ ایک حیات آفریں پیغام ہے، تمام انسانی نسلوں اور تاریخ کے تمام دوروں کے لئے کہ انسان کی کوشش کا نتیجہ ضرور برآمد ہوگا، اور اس کے اثرات و نتائج مشاہدہ میں آئیں گے۔

ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى۔ (سورۃ النجم۔۴۱) پھر اس کو اس کی کوشش کا بھرپور بدلہ ملے گا۔

انسانی سعی کی جس نتیجہ خیزی اور بارآوری کا اس آیت میں اظہار کیا گیا ہے، وہ ایک حوصلہ افزا اور حیات بخش پیغام ہے، اقبال نے انسان کے لئے کہا تھا ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں، نہ نوری ہے نہ ناری ہے۔

میں صدی کے متعلق یہی شعر پڑھوں گا۔ "خاکی" کی جگہ آپ "صدی" کہہ لیجئے، یہ پندرھویں صدی اور وہ صدیاں جو گذر چکی ہیں، سب کے متعلق حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت میں نہ مبارک ہیں، نہ منحوس، اس کے مبارک و منحوس ہونے کا فیصلہ انسانوں کی کوششوں کے صحیح رخ پر ہونے اور صحیح طریقہ پر انجام پانے پر منحصر ہے، ہم کسی صدی کے متعلق بلکہ کسی سال، کسی مہینہ، کسی دن، کسی ساعت کے متعلق بھی پہلے سے یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ مبارک ہوگی یا منحوس؟ اسلام میں برکت و نحوست کے اس بے لچک نظریہ کا وجود نہیں، جو بعض جاہلی قوموں میں (جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کی تعلیم سے محروم رہی ہیں۔) اب بھی پایا جاتا ہے۔ ہم یہ کہیں کہ آنے والی صدی بہت مبارک ہے۔ اور یہ ملت کی اقبال مندی کا دور ہوگا، یا یہ صدی کسی ملت یا تقدیر انسانی کے حق میں منحوس ثابت ہوگی، یہ بالکل اسلامی طرز فکر نہیں ہے، اور کتاب و سنت سے اسکی کوئی تائید نہیں ہوتی، اس لئے کہ یہ تخیل کہ فلاں وقت دائمی طور پر اپنی جگہ پر مبارک ہے یا منحوس انسانی قوت عمل کو سخت نقصان پہنچانے والا ہے۔ اگر انسان پہلے سے یہ سمجھ جائے کہ کوئی ساعت نحس آنے والی ہے یا فلاں گھڑی منحوس ہے، تو اس قویٰ مضمحل ہو جائیں گے۔ اور اسکی قوت عمل کیا قوت فیصلہ بھی جواب دے جائیگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہم پرستی، بلکہ غالیانہ خوش عقیدگی اور شخصیت پرستی کی جڑ پر تیشہ چلایا ایک مرتبہ سورج گرہن ہوا، خدا کو اس امت کی تربیت منظور تھی، اس سے کچھ پہلے ہی فرزند رسول سیدنا ابراہیم کا انتقال ہوا تھا[1]، عرب جاہلیت سے قریب العہد تھے، اور اس کے اثرات تمام دنیا میں پھیلے ہوئے تھے، واقعہ بھی

---

[1] یہ واقعہ سنہ ۱۰ھ کا ہے، حضرت ابراہیم کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی، جب ان کا انتقال ہوا۔

ایسا غیر معمولی اور ایسا جذباتی تھا کہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ نکلا کہ کیوں نہ ہو، اللہ کے پیغمبر کے فرزند کا انتقال ہو اور سورج اس سے متاثر نہ ہو؟ دنیا کا کوئی داعی، کوئی پیشوا، کسی تحریک کا علم بردار، کسی انسانی جماعت کا قائد ہوتا تو کم سے کم درجہ یہ تھا کہ اگر اسکی تردید نہ کرتا تو خاموش رہتا کہ یہ بات ہماری تحریک کے مفاد میں جاتی ہے، میں نے تو کہلوائی بھی نہیں خود بخود لوگوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ سورج گرہن اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بیٹے کے انتقال پر ہوا ہے، اسکی تردید کچھ ضروری نہیں ہے! یہی فرق ہے پیغمبر اور غیر پیغمبر میں کہ سیاسی ذہن رکھنے والے جن واقعات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (خواہ وہ واقعات غیر اختیاری طریقے پر پیش آتے ہوں۔) پیغمبر دین کا نقصان کرکے ان سے فائدہ اٹھانا حرام، اور کفر کے مرادف سمجھتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس امتحان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی پورا اترا ہو، پیغمبروں کی جماعت میں بیشک اس کی مثال مل سکتی ہے، لیکن بانیان جماعت اور سیاسی رہنماؤں کے یہاں نہیں مل سکتی، آپ نے اس پر مستقل خطبہ دیا، اور فرمایا:

ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا یخسفان لموت احد ولا لحیاتہ[1]	سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، ان کو کسی موت یا زندگی پر گرہن نہیں لگتا۔

...

گویا آپ نے فرمایا: تم نے کیا کہا۔؟ سورج اور چاند میں کسی کے مرنے اور کسی کے جینے پر کوئی تغیر نہیں پیدا ہوتا۔ یہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، اور ان کا قانون دوسرا ہے۔ وہ اسی قانون کے پابند ہیں، ان پر کسی بڑی ہستی کے دنیا سے چلے جانے یا کسی بڑی شخصیت سے تعلق رکھنے والے کسی واقعہ کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اس موقعہ پر اگر آپ خاموشی اختیار فرماتے تو اس سے دنیا میں کوئی عظیم فساد پیدا ہونے والا نہیں تھا۔ بس ایک غلط خیال جو خوش عقیدگی، اور محبت وعظمت پر مبنی تھا، پیدا ہوا تھا۔ اور اضطراری طور پر پیدا ہوا تھا۔ اللہ کا رسول اس کو بھی برداشت نہ کرسکا، اور کہا کہ نہیں نہیں! میرے خاندان یا میری اولاد سے اس واقعہ کا کوئی تعلق نہیں، کائنات اس سے زیادہ وسیع اور اللہ کی ذات اس سے غنی ہے، اللہ کا قانون ان تمام چیزوں سے بالاتر ہے، یہ ایک اصولی رہنمائی تھی، جو پوری نسل انسانی بلکہ ذہن انسانی کو دی گئی، ذہن انسانی نسل انسانی سے بھی زیادہ قیمتی اور قابل لحاظ ہے۔ وہ ساری نسل انسانی پر حکومت کرتا ہے، نسل انسانی ذہن انسانی پر حکومت نہیں کرتی، یہ ذہن انسانی کا انحراف تھا جو بہت خطرناک ہے، اور اس کا علاج اور سدباب ضروری تھا۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کوئی صدی اپنی جگہ پر نہ مبارک کہی جاسکتی ہے نہ منحوس، میں گلاس کی مثال دوں گا۔ گلاس اگر خالی ہے تو آپ اس کے متعلق کوئی حکم نہیں لگا سکتے کہ یہ گلاس اچھا ہے یا برا ہے؟ اس کا انحصار اس "مظروف" پر ہے، جس کا یہ گلاس ظرف ہے، یہ پانی کا گلاس ہے۔ خدانخواستہ اگر شراب ہوتی، تو یہ شراب کا جام ہوتا، اگر اس کے

[1] کتاب الکسوف، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۶

اندر زہر بھرا ہوتا تو یہ زہر کا پیالہ ہوتا، یہ گلاس اپنی جگہ پر ایک معصوم، ایک بالکل غیر جانبدار چیز ہے، آپ پر منحصر ہے کہ آپ اس کو کس چیز سے بھرتے ہیں؟ آپ اس کو زمزم سے بھرتے ہیں تو یہ زمزم کا گلاس ہے۔ اگر خدانخواستہ اسے شراب سے بھرتے ہیں تو یہ شراب کا پیمانہ ہے، اس لئے نسلِ انسانی کے حق میں یہ صدی کیا ثابت ہوگی، مبارک ہوگی، یا منحوس ہوگی؟ اس کا سراسر انحصار ہماری اور آپ کی اور امت کی سعی پر ہے جس کو خدا نے اپنے آخری پیغام کا حامل بنایا ہے۔ اس سلسلہ میں میں تین مثالیں دوں گا، دو مثالیں ان صدیوں کی جن کا آغاز نہایت ہولناک، مایوس کن، ہمت شکن، اور حوصلہ فرسا واقعات سے ہوا، اس وقت کے مؤرخوں اور اہلِ نظر نے اس صدی کا استقبال ناگواری سے نہیں بلکہ جگر کے زخموں دل کے داغوں اور آنکھوں کے بہتے ہوئے آنسوؤں سے کیا۔

ابن اثیر، و ابن کثیر کی شہادت موجود ہے کہ اسلامی حلقوں نے ساتویں صدی کا استقبال کس طرح کیا۔؟ تمام آثار و قرائن بتاتے تھے کہ یہ صدی مسلمانوں کے حق میں نہیں، ملّتِ اسلامیہ کے حق میں نہیں، اسلام کے حق میں نہیں، بلکہ پوری انسانیت کے حق میں منحوس ترین صدی ثابت ہوگی، اس کا آغاز ایسے غیر معمولی واقعہ سے ہوا تھا جس طرح کا واقعہ — (مؤرخ ابن اثیر (م ۶۳۰ھ) کے بقول) "اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ از آدم تا ایں دم ایسا واقعہ دنیا میں پیش نہیں آیا، تو وہ کچھ غلط نہ ہوگا، اس لئے کہ تاریخوں میں اس واقعہ کے پاسنگ بھی کوئی واقعہ نہیں ملتا۔"[۱]

میری مراد تاتاریوں کے اس حملہ سے ہے، جو ۶۱۶ھ میں اس وقت کی سب سے بڑی شہنشاہی EMPIRE علاء الدین خوارزم شاہ کی سلطنت پر ہوا، یہ ساتویں صدی ہجری کا آغاز تھا، اور تیرھویں صدی مسیحی چل رہی تھی، تاتاری مور و ملخ کی طرح اٹھے اور عالمِ اسلام پر چھا گئے۔ ترکستان اور ایران کو زیر و زبر اور پورے پورے شہروں کو انہوں نے تاراج و بے چراغ بنا دیا۔ انسانی سروں اور لاشوں کے مینارے بنائے جن پر چڑھ چڑھ کر انہوں نے صدا لگائی، پورے پورے شہر قبرستانوں میں تبدیل ہو گئے، اس واقعہ کی ہولناکی کا اندازہ آپ اس سے کیجئے کہ ایڈورڈ گبن نے اپنی کتاب "سقوط و زوالِ روما" (DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE) میں لکھا ہے کہ:

> "سویڈن کے باشندوں نے روس کے ذریعہ تاتاری طوفان کی خبر سنی، ان پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ان کے خوف سے اپنے معمول کے مطابق انگلستانی ساحل پر شکار کھیلنے کیلئے نہیں نکلے۔"[۲]

خیال کیجئے کہ سویڈن کہاں واقع ہے۔؟ انگلستان کا ساحل اس علاقے سے جس پر تاتاریوں کی تاخت ہوئی تھی، جغرافی طور پر کتنی دور تھا، سویڈن کے ماہی گیر جن کا پیشہ ہی ماہی گیری تھا، کچھ عرصہ انگلستان کے ساحل پر شکار کھیلنے خوف و دہشت کے مارے نہیں آئے، کیمبرج کی "تاریخ عہدِ وسطیٰ" کے لکھنے والے کو اس واقعہ کی ہولناکی کی تصویر کھینچے

---

[۱] الکامل لابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۴۷ - ص ۱۴۸

[۲] گبن ص ۱۶

کے لئے اس سے بہتر الفاظ نہیں ملے کہ "آسمان نے زمین پر گر کر سب چیزوں کو مٹا دیا"[1]

یہ دونوں ان مغربی مصنفین کے بیانات ہیں، جو جذبات اور گرد و پیش کے حالات سے زیادہ متاثر نہیں ہوتے اور جن پر براہ راست تاتاری حملہ کی زد نہیں پڑی تھی، مسلمانوں نے اس واقعہ کو کس نظر سے دیکھا، اس کا اندازہ اس مشہور مقولہ اور کہاوت سے کیا جا سکتا ہے، جو اس زمانہ میں مسلمانوں کی زبانِ زد تھی:

"اذا قیل لک ان التتر انھزموا فلا تصدق"۔ (ہر بات مان لینا لیکن جب یہ کہا جائے کہ کسی معرکہ میں تاتاریوں نے شکست کھائی تو اس کو باور نہ کرنا) وہ مسلمان قوم جو یاس کے مفہوم سے ناآشنا تھی، جس سے کہا گیا تھا:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ (الزمر-۵۳) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

وہ مسلمان جنہوں نے قرآن مجید میں پڑھا تھا:

اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ۔ (سورۂ یوسف ۸۰) اللہ کی رحمت سے مایوس تو بس کافر ہی لوگ ہوتے ہیں۔

اس وقت مسلمانوں پر ایسی مایوسی طاری تھی کہ ان کے لئے یہ کہاوت بن گئی تھی کہ ہر بات قابلِ تسلیم ہے۔ قرینِ قیاس ہے۔ کوئی بات دنیا میں ناممکن نہیں، ناممکن بات صرف یہ ہے کہ تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی۔

علاء الدین خوارزم شاہ کی ایک غلطی سے تاتاری اپنے صدیوں کے "حصار" سے نکلے تھے، جس کی تفصیل آپ تاریخ میں پڑھ سکتے ہیں، نشانہ مسلمان تھے اور انہوں نے وہاں سے نکل کر پورے ترکستان اور ایران و عراق کا تختہ الٹ دیا تھا۔ اور ان ملکوں کی حکومت اور تہذیب و تمدن کا چراغ گل کر دیا تھا۔ یہی وقت ہے جب ذہین انسانوں کے قافلے تیزی کے ساتھ ہندوستان کی طرف آئے اور ان کو یہاں پناہ ملی، یہ تیرھویں صدی عیسوی کا واقعہ ہے، آرنلڈ نے اپنی کتاب (PREACHING OF ISLAM) میں مسلمانوں کی مایوسی اور شکستہ دلی کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کی ہے، اس وقت ہر حساس آدمی جس کو خدا نے دیکھنے کے لئے دو آنکھیں دی تھیں اور مقدمات و اسباب سے نتائج نکالنے کی صلاحیت عطا کی تھی پیشین گوئی کر سکتا تھا کہ اسلام کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کا ستارۂ اقبال اب ہمیشہ کے لئے غروب ہو رہا ہے، اس عالم آشوب واقعہ سے مسلمانوں کو اصل نقصان پہنچا تھا، کیونکہ وہی اصل نشانہ تھے، اسی لئے سب سے زیادہ مسلمانوں کے لئے کام کرنے کا میدان تنگ تھا۔ اور سب سے کم امید ان کے لئے تھی، آرنلڈ لکھتا ہے:

"(اسلام کے علاوہ) دو مذہب اور اس بات کی کوشش میں تھے کہ مغلوں اور تاتاریوں کو

---

[1] ماخوذ از "چنگیز خاں" از ہیرلڈلیمب ص ۲۶۶

اپنا حلقہ بگوش بنائیں، وہ حالت بھی عجیب وغریب اور دنیا کا بے مثل واقعہ ہوگی جس وقت بودھ مذہب اور عیسائی مذہب اور اسلام اس جدوجہد میں ہوں گے کہ ان وحشی اور ظالم مغلوں کو جنہوں نے تین بڑے مذہبوں کے معتقدوں کو پامال کیا تھا، اپنا مطیع بنائیں۔

اسلام کے لئے ایسے وقت میں بودھ مذہب اور عیسائی مذہب کا مقابلہ کرنا اور مغلوں کو ان دونوں مذہبوں سے بجاکر اپنا پیرو بنانا ایسا کام تھا جس میں بظاہر کامیابی ناممکن معلوم ہوتی تھی[1]"

سارے قرائن اس بات پر دلالت کرتے تھے کہ عیسائیت کو کامیابی ہوگی، اس لئے بھی کہ اس جنگ میں عیسائیت اصل فریق نہیں بنی تھی، اور دوسری مشکل یہ تھی کہ چنگیز خاں کے شہزادوں کے گھر میں عیسائی عورتیں تھیں اور ان کے پادری ان کے درباروں میں تھے، اس لئے اگر قبول مذہب کا سوال ہوتا، تو حتمی طور پر یہ بات کہی جا سکتی تھی کہ وہ تنہا عیسائیت کو قبول کریں گے، لیکن آپ کو معلوم ہے کیا ہوا؟ آرنلڈ کو یہ الفاظ لکھنے پڑے کہ :

"بالآخر اپنی گذشتہ شان وشوکت کے خاکستر سے اسلام اٹھا، اور واعظین اسلام نے ان ہی وحشی مغلوں کو جنہوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم باقی نہ رکھا تھا مسلمان کرلیا[2] "

آرنلڈ مزید لکھتا ہے :

"باوجود ان مشکلات کے، مغلوں اور وحشی قوموں نے جو بعد میں آئیں، انہیں مسلمانوں کا مذہب قبول کیا، جن کو انہوں نے اپنے پیروں میں روندا تھا۔[3]"

وہ صدی جس کا آغاز نحوست سے ہوا تھا۔ (اگر نحوست کا کوئی لفظ اسلام کی ڈکشنری میں ہے) وہ صدی جس کا آغاز عالمگیر تاریکی اور عالمگیر مایوسی سے ہوا تھا، وہ صدی اسلام کی "فتح مبین" کی صدی بن گئی اور دنیا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، بلکہ اسکی آنکھیں پھٹ گئیں کہ وہ تاتاری جن کی تلواروں سے ابھی مسلمانوں کے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے وہ اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے۔ ہوورتھ لکھتا ہے کہ :

"مغلوں نے مسلمانوں پر ایسے ظلم کئے کہ چینی تماشے والے جو پردے پر عکس کی تصویریں دکھاتے ہیں تو ایک تصویر میں سفید داڑھی کا ایک بڈھا آدمی آتا ہے، جس کی گردن گھوڑے کی دم سے بندھی ہوتی ہے، اور گھوڑا اس کو گھسیٹے گھسیٹے پھرتا ہے۔ یہ تصویر گویا ظاہر کرتی ہے کہ مغلوں کے سواروں نے مسلمانوں کو کیسے آزار پہنچائے[4]"

---

[1] دعوت اسلام ص۲۴۰۔ ص۲۴۱ [2] ایضاً ص۲۴۵۔ ص۲۴۶

[3] " ص۲۴۵۔ ص۲۴۶

[4] HOWORTH HISTORY OF THE MONGOLS V.I (LONDON 1876-80) P.159

لیکن دنیا نے یہ دیکھا کہ اس اسلام نے فاتح تاتاریوں کو فتح کر لیا۔

بات یہ تھی کہ مسلمانوں نے سب کچھ کھو دیا تھا، خدا پر اعتماد نہیں کھویا تھا۔ ایمان وعقیدہ نہیں کھویا تھا، روحانی طاقت نہیں کھوئی تھی، شکست کس نے کھائی تھی؟ شکست کھائی تھی (مجھے بہت تکلیف کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔) نالائق مسلمان بادشاہوں نے، ایک کمزور ومریض معاشرہ نے، اسلام اپنی جگہ پر تھا، اسلام کے شیشہ پر کوئی بال بھی نہیں پڑا تھا، مسلمانوں نے اس وقت یہ سمجھ لیا تھا کہ تاتاریوں کو تلوار سے زیر کرنا ممکن نہیں، اسلام کی تلوار کند ہو چکی ہے، تقریباً ٹوٹ چکی ہے، وہ دولت وحکومت اور تمدن وتہذیب کی خرابیوں اور بیماریوں سے دور ہیں، ان کے اندر مشقتوں اور دشواریوں کو برداشت کرنے کی وہ طاقت ہے، جو کبھی تازہ دم عربوں اور فاتحین اسلام میں تھی، وہ صدیوں کے بعد صحرا سے نکلے ہیں، ان کی ساری توانائی (ENERGY) ان کے اندر محفوظ ہے۔ ان کا مقابلہ تلوار سے نہیں کیا جا سکتا۔

آپ جانتے ہیں کہ پھر کس نے تاتاریوں کو فتح کیا؟ کس نے تاتاریوں کو اسلام کا کلمہ پڑھایا؟ اس نازک گھڑی اور گھٹاٹوپ اندھیرے میں اہلِ دل سامنے آئے، جن کے اندر روحانی طاقت تھی اور تقریباً نصف صدی کے اندر اندر انہوں نے تاتاریوں کو من حیث القوم مسلمان بنا لیا۔ قبولِ اسلام کے واقعات پوری تاریخ میں پھیلے ہوئے ہیں، افراد کے قبولِ اسلام کے خاندانوں کے قبولِ اسلام کے شہروں کے قبولِ اسلام کے، لیکن قوموں کے من حیث القوم قبولِ اسلام کی مثالیں ہمارے علم میں تین یا چار سے زیادہ نہیں۔ عربوں نے من حیث القوم اسلام قبول کیا، افغانوں نے من حیث القوم اسلام قبول کیا۔ (افسوس ہے کہ وہ بھی آج ابتلاء وآزمائش میں ہیں۔) تاتاریوں اور ترکوں نے انفرادی طور پر نہیں من حیث القوم سو فیصدی اسلام قبول کیا۔ تاریخ کا یہ معمہ ہے۔ اور میں بھی اس آزمائش سے گذر چکا ہوں، یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ یہ تاریخ ساز اور ساری دنیا کے مستقبل پر اثر ڈالنے والا واقعہ (تاتاریوں کے قبولِ اسلام کا واقعہ) پیش آئے اور ہمیں ان لوگوں کے نام بھی نہ لیں۔ جن کے سر تاتاریوں کے قبولِ اسلام کا سہرا ہے، یہ کیا بات ہے؟

اس موقعہ پر مجھے بے اختیار وہ واقعہ یاد آیا کہ جب مدائن کی فتح میں ایک مسلمان سپاہی کے ہاتھ کسریٰ کا تاج لگا، اور وہ اس کو اپنے دامن میں چھپا کر امیر افواج اسلامی سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس لایا۔ جیسے کوئی چوری کا مال چھپا کر لاتا ہے۔" أیھا الامیر! یہ کوئی بہت قیمتی چیز معلوم ہوتی ہے۔ یہ میں آپ کے حوالہ کر رہا ہوں، تاکہ بیت المال میں داخل ہو جائے۔" پہلے تو مسلمان امیر نے جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، سپاہی کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور حیرت کے دریا میں ڈوب گئے کہ اللہ اکبر! اتنا قیمتی جواہرات سے مرصع تاج زریں اور اس غریب سپاہی اور عرب کے بدو کی نیت خراب نہیں ہوئی۔ اس کو کسی وقت یہ خیال نہیں ہوا کہ بجائے یہاں لانے کے اس کو اپنے

خیمہ میں سے جاکر رکھ دے ، کہاکہ آپ کا نام ؟ اس نے دروازہ کیطرف منہ کرکے اور پیٹھ پھیر کر کہاکہ جس کے لیے میں نے یہ کام کیا ہے ۔ وہ میرا نام جانتا ہے ۔ اور یہ کہہ کر روانہ ہوگیا ۔

یہ ایک فرد کا واقعہ ہے ، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تاتاریوں کو کلمہ پڑھانے والوں کا یہی طرز عمل تھا ، انہوں نے اپنے نام کو چھپایا ۔ مجھے بڑی تحقیق و جستجو کے بعد جب میں اس موضوع پر لکھ رہا تھا ۔ دو آدمیوں کے نام ملے ہیں ، ایک درویش صفت وزیر امیر توزون کا نام[1] جو عراق پر حکومت کرنے والی تاتاری نسل کے بادشاہ کے وزیر اعظم تھے ، وہ صوفی منش اور عابد و زاہد وزیر تھے ، اور ان کا عمل اس پر تھا کہ ۔ ع

درویش صفت باش ، و کلاہ تتری دار

تاتاری بادشاہ کے کان میں وہ اچھی بات ڈالتے رہے ، حتیٰ کہ بغداد والوں نے اچانک ایک دن یہ دیکھا کہ جمعہ کا مبارک دن ہے ، اور تاتاری حکمراں سلطان غازان اور اس کے وزراء ہاتھ میں تسبیحیں لئے ہوئے مسجد کو جا رہے ہیں[2]

دوسرا کارنامہ شیخ جمال الدین کا ہے جن کے خلوص بے پایاں ، سچی روحانیت اور دلی دردمندی کی برکت سے تاتاریوں کی چغتائی شاخ میں جو بلاد متوسطہ میں (جس کا مرکز کاشغر تھا ۔) اسلام پھیلا اور پوری شاخ مسلمان ہوگئی ، واقعہ یہ ہے کہ شیخ جمال الدین کہیں جا رہے تھے ، ایرانی تاتاریوں کی نگاہ میں سب سے زیادہ بے وقعت تھے ۔ وہ ان کو طعنہ دیتے تھے اور چڑاتے تھے کہ ایرانی بھی کوئی آدمی ہوتے ہیں ، اتفاق سے وہ ایرانی بھی تھے ، یہ تغلق تیمور شہزادہ کے شکار کا دن تھا ، جو چغتائی شاخ کا ولی عہد تھا ، اور اسکی تاج پوشی میں کچھ مہینے یا کچھ سال باقی تھے ، شکار کے بہت سے توہمات ہوتے ہیں اور یہ لوگ تو سخت وہم پرست تھے ۔ شیخ جمال الدین کو دیکھا کہ وہ شکارگاہ میں داخل ہوگئے ، فوراً سپاہی نے پکڑا اور مشکیں باندھ کر شہزادہ کے سامنے لایا ، شہزادہ بڑا ہی مکدر ہوا ۔ اس نے کہاکہ آج تو میرا سارا شکار غارت گیا کس منحوس کی میں نے صورت دیکھ لی ۔ یہ ایرانی کمبخت یہاں آگیا ۔ اس کا کتا پاس تھا ، غصہ میں کہاکہ تم اچھے ہو کہ میرا یہ کتا اچھا ہے ۔ ؟ خیال کیجئے اور اس منظر کو سامنے لائیے اور دیکھئے کہ خدا کے بندوں نے کس طرح کام کیا ہے ، ان کے چہرہ پر کوئی رنگ نہیں آیا ، کوئی شکن پیشانی پر نمودار نہیں ہوئی نہایت اطمینان کے ساتھ کہاکہ اس کا فیصلہ ابھی نہیں ہوسکتا ! شہزادہ نے کہا کیا مطلب ؟ یہ کون سی مشکل بات ہے ؟ انہوں نے کہاکہ اس کا انحصار کسی اور چیز پر ہے ، اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے تو میں اچھا ہوں ، ورنہ یہ کتا اچھا ہے ۔

تغلق تیمور کے پتھر دل پر ضرب لگی ، محض کچھ کہہ دینے سے ایسی ضرب نہیں لگتی ، لیکن ۔ ع

ہرچہ از دل می خیزد بر دل می ریزد

جو چیز دل سے اٹھتی ہے دل پر گرتی ہے ، انہوں نے جس وقت یہ جملہ کہا ہوگا ، اس کے ساتھ کتنی دعائیں ، کتنے آنسو ،

---

[1] آرنلڈ اور دوسرے مورخین اس کو نوروز بیگ کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ [2] البدایہ والنہایہ ۔ ج ۱۴ صـ ۳۴۰

کتنی آہیں رہی ہوں گی۔ خدایا! کہنے کو تو میں یہ جملہ کہتا ہوں، اثر تو پیدا کر، یہ وقت ہے، اسلام کی قسمت کے فیصلہ کا! اگر اس شخص کے دل پہ چوٹ لگتی ہے تو مسلمانوں کی قسمت بدل جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کا فیصلہ تو ابھی نہیں ہو سکتا۔ اس کا فیصلہ اس وقت ہوگا، جب میں کلمہ پڑھتا ہوا، اللہ اور اس کے رسول پہ ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا، اس وقت یقیناً میں اشرف المخلوقات ہوں، میں افضل ہوں، ورنہ یہ کتا ہزار درجہ مجھ سے بہتر رہے گا۔ یہ واقعہ جو فارسی تاریخوں سے ماخوذ ہے۔ آرنلڈ کی کتاب PREACHING OF ISLAM میں کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ لکھا گیا ہے[۱]

تغلق تیمور نے کہا کہ اچھا اس وقت تو میں کچھ نہیں کہتا، ولی عہد سلطنت ہوں آپ کہیں بھی ہوں، جب یہ سنیں کہ میری تاج پوشی ہوگئی تو مجھ سے ملیئے گا، اب وہ اللہ کے بندے دن گننے لگے کہ وہ ساعتِ سعید کب آتی ہے کہ تغلق تیمور کی تاج پوشی ہو اور میں خدا کا پیغام اس تک پہنچاؤں، ان کی قسمت میں نہیں تھا، وقت اخیر آگیا۔ مرض موت میں انہوں نے اپنے بیٹے شیخ رشید الدین کو بلایا، اور کہا کہ بیٹا! ایک بہت بڑی سعادت تھی جو میری قسمت میں معلوم ہوتا ہے نہیں ہے، شاید تمہاری قسمت میں ہو، جس وقت تم یہ سننا کہ تغلق تیمور کی تاج پوشی، اس تک میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ آپ نے میرے والد سے کچھ کہا تھا؛ چنانچہ وہ گئے، کون ان بیچاروں کو محل میں گھسنے دیتا؛ وہ تاتاری شہنشاہ کا محل تھا، دربانوں نے ان کو روک دیا، اس وقت تو انہوں نے انتظار کیا کہ کوئی موقعہ ملے، نہیں موقعہ ملا۔ ایک درخت کے نیچے مصلیٰ ڈال کر وہاں بیٹھ گئے، جب نماز کا وقت ہوتا اذان دیتے اور نماز پڑھ لیتے، خدا کو منظور تھا، ایک دن صبح کے وقت جو میٹھی نیند کا وقت ہوتا ہے، انہوں نے اذان دی، وہ آواز محل اور خواب گاہ سلطانی میں پہنچی یا پہنچائی گئی، بادشاہ نے کہا یہ کون باؤلا شخص ہے؟ کیا صدا بے ہنگام لگاتا ہے یہ؟ میں نے تو آج تک یہ آواز نہیں سنی محل کے قریب حفاظت (SECURITY) کے بڑے انتظامات ہوتے ہیں، داروغہ نے کہا کہ حضور! ایک دیوانہ سا آدمی آیا ہوا ہے۔ ہم نے بھی کوئی زیادہ تعرض نہیں کیا، کہ کوئی مسکین آدمی ہوگا۔ صدا لگاتا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا، اسے پکڑ لاؤ، بلایا گیا۔ بادشاہ نے کہا، تم کون ہو؟ یہ کیا صدا لگاتے ہو؟ اس کا کیا مطلب ہے۔؟

شیخ رشید الدین نے کہا کہ سرکار! آپ کو کچھ یاد ہے کہ ایک مرتبہ آپ شکار کھیلنے کے لئے نکلے تھے۔ ایک مسلمان فقیر آپ کے سامنے پیش کیا گیا تھا، آپ نے ان سے پوچھا تھا کہ تم اچھے ہو یا میرا کتا اچھا ہے۔؟ انہوں نے جواب دیا تھا کہ اس کا فیصلہ ابھی نہیں ہو سکتا۔ میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ اس کا فیصلہ ہوگیا۔ الحمدللہ وہ ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔

بادشاہ نے سنا اور وزیر اعظم کو بلایا، کہا کہ ایک راز ہے۔ جو میرے سینہ میں تھا۔ یہ واقعہ میرے ساتھ گذرا

---

[۱] آرنلڈ کی کتاب میں اس واقعہ پہ شیخ کا جواب ان الفاظ میں نقل ہوا ہے۔ "کہ اگر دین برحق ہمارے پاس نہ ہوتا۔ تو فی الحقیقت ہم کتے سے بھی بدتر تھے۔"

ہے ، اس کا اثر آج تک میرے دل پر باقی ہے ۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا ، تمہاری کیا رائے ہے ؟ وزیر نے کہا کہ حضور والا ! میں تو بہت دنوں سے مسلمان ہوں ، میں تو اپنے اسلام کو چھپا رہا تھا ، میں ایک مرتبہ ایران گیا تھا ، وہاں میں نے اسلام قبول کر لیا تھا ۔ اور وزراء بلائے گئے تھے اور جب بادشاہ کا منشا معلوم ہوا تو سب مسلمان ہو گئے ۔

ان بیچارے تاتاریوں کے پاس نہ تہذیب تھی ، نہ علم و ادب ، نہ کوئی آسمانی مذہب جس کو عقل قبول کرے ، قانون بھی انہوں نے مسلمانوں ہی سے لیا تھا ۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (سورۂ فتح ۔ ۷) اللہ ہی کے لئے آسمان و زمین کے لشکر ہیں ۔

یہ خدائی تدبیر تھی ، اتنے متمدن اور ترقی یافتہ مملکت کا نظم و نسق کرنا تاتاریوں کے بس کا روگ نہ تھا ، وہاں مسلمان قانون ساز موجود تھے ، آب پاشی کا نظام ، تحصیل وصول کا نظام ، مقدمات کے فیصلے ان کے پاس ایک مختصر و محدود قانون تعزیرات تھا جو صحرا کی محدود زندگی اور اس کے تجربات پر مبنی تھا ، پہلے سے وہ مسلمانوں کے دست نگر تھے ، مسلمان دانشور ، ماہرین قانون اور علماء پہلے ہی اپنا کام کر چکے تھے اور انہوں نے اتنی بڑی مملکت کے نظم و نسق میں ان کی مدد کی تھی ، اور اسلام کی زندگی کی رہنمائی اور معاشرہ و مملکت کی تنظیم کی صلاحیت کا نقش ان کے دماغوں پر قائم کر دیا تھا ، انہوں نے دیکھا کہ اب صرف عقیدہ اور ایمان کی بات باقی تھی ، وہ مرحلہ یہاں طے ہو گیا ۔

اسی وقت تغلق تیمور مسلمان ہوا اور پورے ایران کے تاتاری چند دن میں مسلمان ہو گئے ، ادھر امیر توزون کی کوشش سے عراق میں جو خاندان حکومت کر رہا تھا ، اسلام قبول کر چکا تھا ، جس طرح تسبیح کے دانے گرتے ہیں ، تاتاری لاکھوں کی تعداد میں اسلام قبول کر رہے تھے ، یہ مسلمان دانشور ، مخلص علماء ، واعظین ، مبلغین اور سب سے بڑھ کر اہل دل کا کارنامہ تھا ، اس حقیقت میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں ، پوری تاریخ شہادت دیتی ہے کہ ان اہل دل نے اندر اندر کام کیا ہے ، اور تاتاری ان کے نامۂ اعمال میں ہیں ، یہ لاکھوں انسان (جنہوں نے تاریخ پر اثر ڈالا ہے) قیامت کے دن جب اٹھیں گے تو انہیں کے حساب میں شمار ہوں گے ، ان اہل دل کا ذکر کرتے ہوئے اکبر الہ آبادی مرحوم کا ایک شعر بے اختیار زبان پر آ رہا ہے ؎

اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیر گل
افسوس ہے انہیں کے ہزاروں گلے ہوئے

میں نے ایک ایسی صدی کی مثال دی جس کا آغاز نہایت ہولناک حالات اور اسلام کے حق میں پیام موت سے ہوا تھا ، لیکن مسلمانوں نے ہمت نہیں ہاری ، انہوں نے سلطنت ہاری تھی ، ہمت نہیں ہاری تھی ، اور مسئلہ یہی ہے کہ

سلطنت دس مرتبہ ہاری جائے گیارہویں مرتبہ آسکتی ہے ، ہمت ایک مرتبہ ہار دی جائے تو اکثر واپس نہیں آتی ، داعیانِ اسلام بغیر کسی پروپیگنڈے کے خاموشی کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے ، مجھے علم نہیں کہ مسلمانوں نے اس وقت کوئی انجمن بنائی ہو کہ تاتاریوں کو مسلمان کرنا ہے ، پہلے انہوں نے یہ اشتہار دیا ہو کہ تاتاری مسلمان ہوں گے تو یہ فائدہ ہوگا۔ اس سے کھوئی ہوئی سلطنت ملے گی ، اقتدار قائم ہوگا کچھ نہیں ، خود مسلمانوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی کہ کیا ہو رہا ہے ؟ اور اچانک یہ معلوم ہوا کہ پوری کی پوری قوم اسلام کی جھولی میں ڈال دی گئی ۔

میں نے ایک مثال ساتویں صدی ہجری ، اور تیرھویں صدی عیسوی کی دی ، جس کا آغاز ایسے مہیب اور ایسے ہولناک حالات سے ہوا تھا جس سے مسلمانوں کے دل دہل گئے تھے ۔ اور خدانخواستہ اگر ان میں عقیدہ کی طاقت نہ ہوتی ، تو اگر ایمانی ارتداد نہیں تو تہذیبی اور ذہنی ارتداد تو ضرور آجاتا ، اس وقت نہ تہذیبی ارتداد آیا نہ ذہنی ارتداد اور ایمانی ارتداد کا تو کوئی ذکر ہی نہیں ۔

دوسری مثال میں دسویں صدی ہجری (سولھویں صدی عیسوی) کی دوں گا ، میں اس موقعہ پر عالم اسلام کی وسعتوں میں نہیں جاؤں گا ، ہندوستان کا تذکرہ کرتا ہوں ، دسویں صدی ہجری کا وسط اس حالت میں آیا کہ ہندوستان اسلام کی قیادت و رہنمائی بلکہ اسلام کے برکات ہی سے محروم ہونے کے خطرہ سے دوچار ہو گیا تھا ، بظاہر نظر آرہا تھا کہ چند دنوں کا معاملہ ہے ، تفصیلات آپ بڑی کتابوں میں پڑھیے [1] اس وقت عالم اسلام میں دو سب سے بڑی سلطنتیں تھیں ، ایک عثمانیوں کی سلطنت ایشیائے کوچک اور مشرق وسطی میں ، دوسری مغلوں کی سلطنت اس تخت برِاعظم میں ، اس کے بعد اگر نمبر تھا تو ایران کی صفوی سلطنت کا ، یہاں ہندوستان میں یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ ایک قوی الارادہ ، صاحب عزم ، ذہین ، فاتح اور کشور کشا سلطانِ وقت کے ساتھ اس وقت کی نسل کے چند ذہین ترین علماء اور دانشور (جن میں ابو الفضل اور فیضی کا نام سب سے نمایاں ہے۔) ایک تحریک میں شامل ہو گئے ، جس کا مقصد ہندوستان کا رُخ اسلام سے ہٹا کر اکبر کے دین الٰہی اور اس وحدت ادیان کیطرف موڑنا تھا ، جس میں پلڑا ہمیشہ دوسری طرف جھکا ہوا ہوتا تھا [2]

یہ مادّی طاقت اور ذہانت دونوں کا خطرناک سنگم تھا ، یا اسلام کے خلاف مطلق العنان سلطنت اور بے قید اور آزاد عقلیت کی سازش تھی ، جس کی مثالیں تاریخ میں کم ملتی ہیں ، اس وقت اس بات کو برملا کہا جانے لگا تھا کہ دسویں

---

[1] مثلاً تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم [2] اس رواداری اور صلح کل تحریک میں اسلام کے ساتھ مساویانہ و منصفانہ برتاؤ قائم نہیں رہ سکا۔ قدرۃً اس مذہب اور فرقہ کا پلڑا جھک گیا ، جس کا دربار میں رسوخ اور بادشاہ کی طبیعت میں رجحان غالب تھا ، "مختصر تاریخ ہند" کے مصنفین ڈبلیو۔ ایچ مورلینڈ اور اے۔ سی چٹرجی نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ " اکبری قوانین دینِ اسلام سے زیادہ ہندو مذہب کی موافقت اور حمایت میں ہوتے تھے۔" (ص ۲۵۱)

صدی ختم ہو رہی ہے۔ گیارہویں صدی شروع ہونے والی ہے، کسی دین کے لئے ایک ہزار سال کی مدت بہت ہوتی ہے۔ ایران و ہندوستان کے بہت سے فاضلوں نے جن کو خوف خدا اور دین کا گہرا علم نہیں تھا، اور جاہ و اقتدار اور منصب و عہدہ کی ہوس تھی، اس کے لئے مواد فراہم کر دیا کہ فلاں مذہب کا ستارۂ اقبال اتنے دنوں تک بلند رہا۔ ایک ہزار سال کے بعد دوسرا مذہب آیا، اور دوسری فکری رہنمائی اور قیادت میدان میں آئی، اب دین عربی کی عمر پوری ہو گئی ہے اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک ہزار سال گذر گئے ہیں، اس نسل کو نئے دین و آئین کی ضرورت ہے۔ اکثر ایسے فتنے ان فلسفوں سے پیدا ہوتے ہیں جو مذہب اور اخلاقیات کی رہنمائی سے آزاد ہوتے ہیں۔

اس خطرہ کا ذرا اندازہ کیجئے، اس تحریک کا علم بردار اور رمز (SYMBOL) وہ شخص تھا جس کی تلوار کی دھاک سارے ہندوستان پر بیٹھی ہوئی تھی، جس نے ہر ناقابل تسخیر مہم کو سر کیا تھا، اور جو شکست و ناکامی کو جانتا نہیں تھا جس میں جوانی کا خون تھا، اور اپنے جد اعلیٰ تیمور کی حوصلہ مندی اور بابر کی مشکل پسندی، ایک طرف وہ شہنشاہ ہے، اور دوسری طرف وہ ذہین ترین انسان ہیں جن کی آج بھی آپ تحریریں پڑھیں تو ان کی ذہانت کا لوہا مان جائیں گے۔

پھر کیا ہوا؟ دسویں صدی کا آخر یہ خبر دے رہا کہ اسلام کے قدم اس ملک سے اکھڑ رہے ہیں، اب ہندوستان میں سیاسی اقتدار ہی نہیں، دینی اور روحانی اقتدار بھی دوسری طاقتوں اور فلسفوں کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ یہ انقلاب ان فاتحین کی کوششوں پر پانی پھیر رہا تھا، جنہوں نے کئی صدی قبل اپنی جان کی بازی لگا کر اس ملک کو فتح کیا تھا، اور دوسری طرف حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور ان کے پاک نہاد خلفاء کی کوششوں پر جنہوں نے اپنے اپنے گوشے میں بیٹھ کر سعید روحوں کو انسانیت اور محبت، مساوات انسانی اور عدل اجتماعی (SOCIAL JUSTICE) کا درس دیا تھا، باہر رہ کر حکومت وقت کی دینی و اخلاقی نگرانی کی تھی، اور حکومت و معاشرہ کو صالح، قوی اور امانت دار، خدا ترس، انسانیت دوست افراد مہیا کئے تھے، اور ملک کی علمی و تعلیمی تحریک میں بھی نئی روح پھونک دی تھی[1]

پھر کیا ہوا۔؟ مجھے کہنا پڑتا ہے کہ سیاسی افق سے نہیں، کسی مادی افق سے نہیں، صرف اسی ایمان و روحانیت کے گوشہ سے، اسی اخلاص و للّٰہیت کے گوشہ سے، اسی علم و حکمت کے گوشہ سے جو ہمیشہ اپنا کام کرتا رہا ہے، اور جس نے گرتوں کو سنبھالا ہے، ایک ستارہ طلوع ہوتا ہے۔ جس کا نام شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانیؒ (۹۷۱ھ — ۱۰۳۴ھ) ہے، جس کے متعلق اقبالؔ نے کہا ہے ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان — اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفس گرم سے ہے گرمئ احرار

---

[1] اس اجمال کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ مشائخ چشت" از پروفیسر خلیق احمد نظامی اور "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ۔

اسلام کے خلاف اس سازش کا مقابلہ کرنے کے لئے جس میں اس وقت کے ذہین ترین انسان شریک تھے، ایک فقیر بے نوا سرہند کے گوشہ میں بیٹھ کر یہ عزم کرتا ہے کہ یہ نہیں ہونا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان اس ملک میں باعزت و آزاد طریقہ پر رہنے اور اپنے دینی شعائر کو باقی رکھنے کے حق سے کیوں محروم کئے جاتے ہیں، اور صرف انہیں پر زندگی کا میدان کیوں تنگ کیا جارہا ہے۔؟

پھر کیا نتیجہ ہوا۔؟ گیارھویں صدی جب شروع ہوئی تو دنیا نے دیکھا کہ رنگ بالکل بدل گیا ہے۔ اس کے بعد سے دو تین صدیوں تک کے لئے اسلام کا مستقبل اس ملک میں بالکل محفوظ کر دیا گیا۔ اس وقت اللہ کا یہ بندہ سرہند میں بیٹھ گیا، نبوت و رسالت محمدی کی ضرورت و بقا اور شریعت و سنت کے مقام و دوام کے خلاف جو علمی و اشراقی مغالطے تھے ان کا پردہ چاک کیا اور اس پر اعتماد بحال کیا[1]۔ دوسری طرف اس خطرہ کا سدباب جو تیزی سے بڑھ رہا تھا، اسکی (STRATEGY) حکمت عملی کیا تھی؟ کوئی شور نہیں، کوئی ہنگامہ نہیں، اکبر کے خلاف کسی طاقت کو منظم کرنے کی کوشش نہیں۔ اس کے تاریخی مطالعہ نے بھی اور اسکی قرآنی بصیرت نے بھی اس کو بتایا کہ اگر حریف بن کر سامنے آؤگے تو کچل دئے جاؤگے، تمہیں کام کرنے کا کوئی وقت نہیں ملے گا۔ اللہ سے دعائیں کرو، اپنے گرد مخلص اور لائق افراد کو اکٹھا کرو، ان کی ہمہ گیر تربیت کرو، وہ دولت اور حکومت کے دریا سے گذر جائیں، لیکن ان کا دامن بھی تر نہ ہو، وہ جاہ و حشمت کیطرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں، جو مسلمان امراء دربار جہانگیری میں اعلیٰ عہدوں اور ذمہ داریوں پر فائز ہیں، ان کے دلوں کو چھوؤ، ان کو لکھو کہ "ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام اس وقت موت و زندگی کے آخری مرحلہ سے گذر رہا ہے، آپ کو کچھ کرنا چاہیئے، جارحانہ طریقہ سے نہیں بالکل تعمیری علمی اور فکری طور پر اور دل کے اعتقاد اور یقین کے ساتھ۔"

مجدد صاحب نے خط و کتابت شروع کی، ان لوگوں کے ناموں کی فہرست طویل ہے جن سے انہوں نے مراسلت کی، ان میں عبدالرحیم خان خاناں، اور نواب مرتضیٰ خاں، (سید فرید) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، نتیجہ کیا ہوا؟ ۱۵۔ ۲۰ برس کے عرصہ میں ماحول بدل گیا، ہندوستانی مسلمان صرف ہندوستان کے لئے نہیں، پورے عالم اسلام کے لئے مرجع و مرکز بن گئے، روحانیت میں، علم حدیث اور عربی لغت تک میں (جو خالص عرب ملکوں کی چیز تھی۔) یہ اسی برگزیدہ شخصیت کی کوششوں کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کو وہ دینی مرکزیت حاصل ہوئی اور علوم دینیہ کے بلند پایہ ماہر و محقق پیدا ہوتے، پھر چراغ سے چراغ جلا اور کچھ عرصہ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ (۱۱۱۴ - ۱۱۷۶ھ) کی شخصیت سامنے آئی، جنہوں نے ایک نیا "علم کلام" پیدا کیا، نظام خلافت کی ایسی تشریح و تفصیل اور صحیح اسلامی حکومت کا خاکہ پیش کیا جو علمی طور پر اس سے پہلے شاید پیش نہیں کیا گیا تھا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے ہندوستان کی گرتی ہوئی مسلم حکومت کو

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم"۔ باب پنجم

(جس کا بدل اس وقت موجود نہیں تھا۔) سہارا دینے اور اس کے جسم میں نیا خون پہنچانے کی کوشش کی کہ اسکی شکست وریخت سے ہندوستان میں سخت سیاسی واخلاقی انتشار کا خطرہ تھا[1]

ان کے باکمال اور باتوفیق فرزندوں نے (جن میں حضرت شاہ عبدالعزیز پیش پیش تھے۔) اس ملک میں کتاب وسنت کا علم عام کیا، قرآن مجید کے مطالعہ اور فہم کا ذوق پیدا کیا، حدیث کی اشاعت کی، اور عقائد اعمال ورسوم کی اصلاح کا عظیم الشان کام انجام دیا۔

اسی سلسلۂ طلائی کی ایک زریں اور مستحکم کڑی اصلاح وجہاد احیائے سنت واحیائے خلافت کی وہ عظیم الشان تحریک تھی جو حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۴۶ھ) اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ (۱۲۴۶ھ) کی قیادت میں اس برعظیم میں شروع ہوئی، اور جس نے انقلابِ حال، اسلامی سیرت، دینی حمیت اور آدم گری اور مردم سازی کے وہ نمونے پیش کئے جنہوں قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کر دی۔ اس جماعت نے دعوت واصلاح کے اتنے وسیع اور طویل محاذ پر اپنی جدوجہد جاری رکھی جسکی نظیر عالم اسلام کی پچھلی تاریخ میں ملنی مشکل ہے[2]

پھر عظیم دینی مدارس کا دور آیا اور دارالعلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور وہ دوسرے مدارس جابجا قائم ہوئے جن کی بنیاد خالص کتاب وسنت کی تعلیم واشاعت پر تھی[3] ان مدارس کے عالی مرتبہ بانیوں اور مخلص وراسخ العلم فضلاء کی مساعی جمیلہ سے بڑے پیمانہ پر عقائد واعمال کی اصلاح ہوئی، دینی ذوق اور اسلامی حمیت پیدا ہوئی، ان میں سے ایک بڑی تعداد نے آزادی کی تحریک اور ملک کی علمی وادبی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا، اور ان کی وجہ سے (بعض دوسرے اسلامی ملکوں کیطرح) مذہب وسیاست کی تفریق کا اصول کامیاب نہیں ہونے پایا اور ملک کے عوام اور تعلیم یافتہ طبقہ علماء واہل دین کی قیادت سے (باغی ہونے کا کیا ذکر) ان کی رہنمائی واثرات سے بھی آزاد اور مستغنی نہیں ہو سکے۔

ان علماء کی علمی کاوشوں کی بدولت ہندوستان کو وہ دینی مرکزیت حاصل ہوئی کہ اگر یمن میں مراکش میں، کسی شخص کو علم حدیث میں کمال پیدا کرنا مقصود ہوتا تو سیدھا ہندوستان آتا، اسی طرح اگر کسی کو روحانی پیاس بجھانے کا شوق ہوتا، اور وہ تزکیۂ نفس اور روحانی ترقی کے مدارج طے کرنا چاہتا تو ہندوستان کا رخ کرتا، مولانا خالد رومی پیدا ہوتے ہیں۔ عراق اور شام کے شمالی حصہ میں جو ترکی میں داخل ہے، ساری تعلیم وتربیت ان کی شہر زور اور دمشق کی ہے۔ لیکن جب ان کو اپنی روح کی پیاس بجھانے اور اللہ کی باتوں پر، غیبی حقائق پر، وہ یقین پیدا کرنے کا شوق پیدا ہوا، جو بدیہیات اور ریاضی کے نتائج پر ہوتا ہے، تو وہ کہاں گئے؟ وہ اپنے وطن شہر زور سے سیدھے دہلی شاہ غلام علی صاحب (م۔ ۱۲۴۰ھ) کی خانقاہ میں

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے سیاسی مکتوبات" مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ [2] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" از مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم اور "تحقیق وانصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ" از ابوالحسن علی ندوی۔

[3] ان کے تفصیلی تعارف کے لئے راقم کی کتاب "ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ" ملاحظہ ہو۔

آئے اور وہاں آکر پڑ گئے، اور یہاں سے کامیاب ہو کر گئے، اور عراق اور شام اور ترکی کے ملکوں میں انہوں نے اخلاق و روحانیت اور معارف و حقائق کے دریا بہا دیئے، اور ایک نئی روح پھونک دی، جس کے اثرات ابھی تک موجود ہیں۔

اگرچہ یہ گفتگو ہندوستان کی اصلاحی و تجدیدی تحریکوں تک محدود تھی، لیکن اس میں بیرون ہند، بلکہ مرکزِ اسلام — (جزیرۃ العرب) کی عظیم تحریک تطہیرِ عقائد اور دعوتِ دینِ خالص کا ذکر کرنا ضروری ہے، یہ شیخ محمد بن عبدالوہاب (۱۱۱۵ھ — ۱۲۰۶ھ) کی دعوت تھی، جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے معاصر ہیں[۱] اس تحریک نے بعض خاص تاریخی و سیاسی اسباب کی بنا پر وہ کامیابی حاصل کی، جو کم مصلحین اور داعیوں کے حصے میں آئی تھی۔ اس کے نتیجہ میں ایک پوری نسل، ایک وسیع سلطنت، اور ایک مکتبِ فکر پیدا ہوا، جس کے اثرات دور دور پھیلے، اسی زمانہ میں یمن میں علامہ محمد بن علی الشوکانی (۱۱۷۲ — ۱۲۵۰ھ) عسیر میں احمد بن عبداللہ بن ادریس حسنی بانی سلسلۂ ادریسیہ اور لیبیا میں سید محمد بن علی السنوسی (۱۲۰۶ — ۱۲۷۶ھ) پیدا ہوتے[۲] جنہوں نے اپنے اپنے مقامات پر اصلاح عقائد و رسوم، اشاعت کتاب و سنت اور مجاہدانہ تربیت و سیرت سازی کا عظیم کام انجام دیا، مغربی مستشرقین ان سب مصلحین کو شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت و تحریک کا خوشہ چین اور ان کا بلاواسطہ یا بالواسطہ شاگرد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اس کا ثبوت مشکل ہے، مغربی ذہن اس حقیقت کے سمجھنے سے قاصر ہے کہ قرآن و حدیث کا مخلصانہ مطالعہ ہر دور میں ایسی اصلاحی شخصیتیں پیدا کرتا رہا ہے، جو بگڑے ہوئے حالات اور فاسد خیالات سے نبرد آزما رہیں، اور اس کا سلسلہ قیامت تک قائم رہے گا، اسی کے کچھ بعد علامہ سید جمال الدین افغانی (متوفی ۱۳۱۴ — ۱۸۹۷ء) نے اسلامی حمیت اور اتحادِ عالم اسلامی کا صور پھونکا، جس سے مصر و شام اور ترکی کے دشت و جبل اور بام و در گونج اٹھے، انہوں نے اور ان کے شاگرد رشید مفتی محمد عبدہ مصری (م ۱۳۲۳ھ — ۱۹۰۵ء) نے اپنے عہد کی ذہین اور بے چین نوجوان مسلمان نسل میں ذہنی بیداری پیدا کرنے میں بڑا حصہ لیا۔[۳]

---

[۱] شیخ محمد بن عبدالوہاب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے تقریباً ہم عمر ہیں۔ شاہ صاحب کی ولادت ۱۱۱۴ھ کی ہے۔ اور شیخ کی ولادت ۱۱۱۵ھ کی، شیخ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم و بدنام مصلح" از مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم

[۲] مشہور مجاہد و مصلح سیدی احمد الشریف السنوسی (امام السنوسی) انہی محمد بن علی السنوسی کے پوتے تھے، جنہوں نے طرابلس اور برقہ کی جنگ میں اطالیوں کے چھکے چھڑا دئے، اور تیرہ برس تک محض اپنے تربیت یافتہ رفقاء اور تلامذہ کی مدد سے یورپ کی اس بڑی طاقت کا کامیابی سے مقابلہ کرتے رہے۔ وہ سیف و تسبیح اور قرآن و شمشیر کے بیک وقت حامل تھے۔ اور ان کا شمار اپنے وقت کے شیوخ کبار، اور اہل اللہ میں سے تھا، ۱۳۵۱ھ (۱۹۳۳ء) میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "حاضر العالم الاسلامی" از امیر شکیب ارسلان ج ۲

[۳] پچھلے چند برسوں سے دونوں (استاد و شاگرد) کی شخصیتیں تنقید و تحقیق کا موضوع بن گئی ہیں اور ان کے خلاف عربی رسائل اور علمی مجالس میں مضامین اور خطابات کا ایک سلسلہ شروع ہوا، جن کی وجہ سے ان دونوں کی شخصیتوں کی عظمت اتنی مسلم نہیں رہی جتنی ربع صدی پہلے تھی، لیکن یہ حقیقت اب بھی اپنی جگہ پر ہے کہ ان دونوں نے نوجوانوں کا اسلام کی صلاحیت اور عقلیت پر اعتماد بحال کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش"۔

جہاں تک چودھویں صدی ہجری کا تعلق ہے مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے وہ کامیابیوں اور ناکامیوں، غلطیوں اور تلافی کی کوششوں، مسلمان قوموں کی فریب خوردگی اور سادہ لوحی اور اسی کے ساتھ سیاسی شعور اور بیداری، کثیر التعداد آزاد مسلم ریاستوں اور حکومتوں کے قیام اور اسی کے ساتھ متعدد طاقتور اسلامی تحریکوں کی صدی ہے۔ اس صدی میں واقعات وحوادث کا جو تنوع اور تضاد نظر آتا ہے اسکی مثال پچھلی صدیوں میں ملنی مشکل ہے۔

اس صدی کا آغاز ہوا تو سلطنت عثمانیہ اپنی پوری وسعت اور کروفر کے ساتھ موجود تھی اور مسلمانوں کے سروں پر خلافتِ اسلامی کا علم سایہ فگن تھا، مسند خلافت پر سلطان عبدالحمید خاں ثانی ($\frac{\text{۱۲۹۱ - ۱۳۲۷ھ}}{\text{۱۸۷۶ - ۱۹۰۹ء}}$) متمکن تھے جن کی ذات بیسویں صدی کے وسط تک سخت تنقید واعتراض کا نشانہ بنی رہی ہے، اور مغربی مصنفین نے تو اپنے قلم کی ساری سیاہی ان کے چہرہ کو بدنما اور تاریک دکھانے میں صرف کر دی، لیکن پچھلے برسوں میں ان کے متعلق جو تحقیقی مضامین مؤقر عربی وترکی رسائل میں شائع ہوئے ہیں، نیز ان کے روزنامچے کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ وہ (اپنی بعض مزاجی خصوصیات اور کمزوریوں کے باوجود جو موروثی سلطنت کا بھی خاصہ ہو سکتی ہیں، اور اندرونی وبیرونی مخالفتوں اور ان کے گرد پھیلی ہوئی سازشوں کا ردعمل بھی) ایک نہایت باحمیت اور صاحبِ غیرت مسلمان حکمران تھے، جن کے عہد میں مغربی طاقتیں ترکی کے حصے بخرے کرنے اور یہودی فلسطین کے کسی حصہ پر بھی قابض ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے اور جنہوں نے ممتاز یہودی وفد کی ساری پیش کشوں اور رشوتوں کو حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ اور زمین سے مٹی کی مٹھی اٹھا کر کہا تھا کہ "بیت المقدس تو بڑی چیز ہے، میں فلسطین کی سرزمین کی اتنی خاک بھی دینے کے لئے تیار نہیں[1]" اور جنہوں نے خلافت اسلامی کے پیکر میں ایک نئی روح اور عالم اسلام میں وحدت اسلامی اور "جامعہ اسلامیہ" کا ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا تھا۔

دولت عثمانیہ جو تولیت حرمین شریفین کے شرف اور خلافت اسلامیہ کے اعزاز سے مفتخر تھی، اپنی ساری کمزوریوں اور داخلی وخارجی فتنوں اور مہیب سازشوں کے باوجود ملتِ اسلامیہ کے لئے خواہ کہیں بستی ہو، قوت وعزت کا سرچشمہ اور مقامات مقدسہ اور ممالک عربیہ کے لئے ایک آہنی حصار تھی، جس کی موجودگی میں یہ مقامات وممالک (جن سے مسلمانوں کی عزت وقسمت وابستہ تھی اور ہے) لاوارث آدمی کے مال کیطرح تقسیم نہیں کئے جا سکتے تھے، اس صدی کی ابتدا میں دولتِ عثمانیہ مشرق میں یمن وعسیر سے لے کر مغرب میں ایک طرف یورپ میں ادرنہ والبانیہ، افریقہ میں طرابلس، تونس فزان تک، دوسری طرف جنوب میں اسوان، مصر، برقہ سے لے کر شمال میں بلگیریا ریاست ہائے بلقان طرابزون اور ایڈریانوپل تک وسیع تھی، دولتِ عثمانیہ کے حدود میں ایشیائے کوچک کا اکثر حصہ شام (جس میں موجودہ

---

[1] یہ روایت میں نے مفتی سید امین الحسینی صاحب مرحوم کی زبان سے کئی بار سنی جو اس سلسلہ کے ایک معتبر راوی اور ثقہ گواہ تھے۔

فلسطین، لبنان اور شرق اردن بھی شامل تھے۔) مصر، جزیرۃ العرب، عراق، جزیرۂ قبرص شامل تھا۔ اور یورپ پر بھی اس "مردِ بیمار" کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

لیکن مسلمانوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی (جو خلافت اور ایک وسیع مسلم امپائر کی شکل میں ان کو خدا نے دی تھی۔) سلطان عبدالحمید خان کی ۱۹۰۹ء میں معزولی تو ایسا المناک واقعہ نہ تھا جس سے تاریخ بدل جائے وہ اس وقت کے سیاسی حالات یا سلطان کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا نتیجہ ہو سکتا ہے، ان کے بعد علی الترتیب سلطان رشاد سلطان وحید الدین خان اور سلطان عبدالمجید تخت سلطنت اور خلافت پر متمکن ہوئے۔ لیکن اصل المناک واقعہ جس سے پورے عالم اسلام کو ذلت و نکبت کا سامنا کرنا پڑا اور جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو بیت المقدس سے ہاتھ دھونا پڑا اور بقول مولانا شبلی کے "حرم کے سمت بھی صید افگنوں کی نگاہیں اٹھیں"۔ ممالک عربیہ مصر و شام (عظیم) عراق اور افریقہ پوری شمالی پٹی براہ راست یا بالواسطہ مغربی اقوام و ممالک کے زیر حکومت یا زیر انتداب آئے اور جس کی سزا کی میعاد (جہاں تک مغربی ایشیاء کے عرب ممالک کا تعلق ہے۔) ابھی ختم نہیں ہوئی، ترکوں کے خلاف وہ اقدام تھا جو عربوں نے اپنے ممالک کی چالاک عیسائی اقلیت کی سازش کا شکار اور اتحادیوں کے پُر فریب وعدوں پر اعتبار اور قومیت عربیہ کے سحر سامری سے مسحور ہو کر پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے موقعہ پر کیا، اور جس کے قائد شریف مکہ شریف حسین تھے۔ جنہوں نے ۱۰ر جون ۱۹۱۶ء کو ترکوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے، اس کے نتیجہ میں ۱۹۱۶ء میں شام و فلسطین ترکوں سے آزاد ہوئے مصر برطانوی اقتدار میں چلا گیا، ۹ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو بیت المقدس پر انگریزوں کا قبضہ ہوا، یکم اکتوبر ۱۹۱۸ء کو شریف حسین کے فرزند امیر فیصل اور جنرل الینبی دمشق میں فاتحانہ داخل ہوئے، فرنچ جنرل گورو نے فاتح بیت المقدس اور آبروئے اسلام سلطان صلاح الدین ایوبی کی قبر کو پاؤں سے ٹھوکر ماری اور کہا کہ "لو صلاح الدین ہم یہاں تک آگئے اور ہم نے شام فتح کر لیا، تم کب تک سوتے رہو گے"۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کے آخر تک حجاز، شام، لبنان اور عراق و عرب کے تمام علاقے ترکوں کے ہاتھ سے نکل کر اتحادیوں کے تسلط میں آ چکے تھے

سارا عالم اسلام اس صورت حال سے بے چین تھا، اور مسلمان ذلیل، لیکن سب سے زیادہ ہندوستانی مسلمانوں نے اس پر بے چینی محسوس کی، اور اپنے قلبی و ذہنی اضطراب کا مظاہرہ کیا، یہی زمانہ ہے، جب تحریک خلافت نے (جو اس صدی کی سب سے بڑی نیم دینی نیم سیاسی تحریک تھی) مسلمان علماء و قائدین مولانا عبدالباری فرنگی محلی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا ظفر علی خان وغیرہ کی قیادت میں (جو اپنی طاقتور شخصیت، اسلامی حمیت اور پرجوش خطابت میں عالم اسلام میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے) سارے ہندوستان کو ہلا کر رکھ دیا تھا، اس موقعہ پر مسلمانوں کا دل ناسور کی طرح بہا، اور ملی احساس کوہ آتش فشاں کی طرح پھٹا، اس زلزلہ انگیز تحریک سے نہ صرف مسلمانوں میں، بلکہ پورے ملک میں سیاسی شعور اور مغربی اقتدار اور تہذیب سے نفرت کا

جذبہ پیدا ہوا، خود گاندھی جی جیسے عظیم ملکی قائد نے اس تحریک کا ساتھ دیا، اور اس کے قائدین کے ساتھ ملک گیر دورے کئے۔

لیکن جب ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو مصطفیٰ کمال پاشا (کمال اتاترک) نے خلافت کے خاتمے کا اعلان کیا، تو ہندوستانی مسلمانوں کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی، اور ان کو دنیا تیرہ و تار نظر آنے لگی، اقبال نے اسی موقع پر کہا تھا ؎

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

یہ زمانہ پورے عالم اسلام کے لئے روح فرسا اور ہوش ربا تھا، اور ایک طرح سے اس کو ساتویں صدی ہجری کے اس نصف اوّل سے مماثلت تھی، جس میں نیم وحشی تاتاریوں نے عالم اسلام کے زرخیز و مردم خیز متمدن اور مرکزی ممالک پر حملہ اور پھر قبضہ کر کے اسلامی اقتدار کا خاتمہ کر دیا تھا، اور مسلمانوں کی عزت و آبرو کو خاک میں ملا دیا تھا، لیکن وہ محض ایک نیم وحشی قوم کی فوجی یلغار تھی جس کی متمدن و تن آسان اسلامی دنیا تاب نہ لا سکی، اس کے ساتھ کوئی فکری فلسفہ کوئی تازہ دم تہذیب اور نئے افکار و اقدار نہ تھے۔ لیکن مغربی قوموں اور ملکوں کی اس تاخت کی جو چودھویں صدی کے پہلے ثلث اور بیسویں صدی کے اوائل میں ہوئی، نوعیت بالکل جدا تھی، اس کے ساتھ نئے فلسفے نیا نظام تعلیم نئے افکار و اقدار، الحاد و تشکیک کا نیا لشکر اور مادیت و مادہ پرستی کا نیا مذہب تھا۔

سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ مارچ ۱۹۱۷ء میں بالشویک انقلاب پیش آیا، جو صرف تاریخ، جغرافیہ اور سیاسی نقشہ کو ہی تبدیل کرنے والا نہ تھا، اور وہ اقتصادیات و سیاسیات ہی کے حدود میں محدود نہ تھا، عقیدہ و عمل اصول و مبادی، اخلاق و معاشرت بلکہ حیات انسانی اور شعور انسانی کی بنیادوں کو منہدم کرنے والا اور ان کے ملبہ پر ایک نئی عمارت تعمیر کرنے والا تھا، اسکی زد سب سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں پر پڑنے والی تھی جو ایک مثبت، متعین اور مختتم دین کے پیرو اور داعی تھے، اور جن کے دین کی حقیقت اور فرائض میں "احتساب کائنات" کا فریضہ بھی شامل تھا، مگر افسوس ہے کہ ان میں بروقت اس خطرہ کو محسوس کرنے والے اور اس کا مقابلہ کرنے والے بہت کم تھے، اور انہوں نے اس معاملہ میں اس "فراستِ مومن" کا ثبوت نہیں دیا جو اس سے پہلے اس سے کم درجہ کے خطرات کو بھانپ لیتی تھی، مغربی عالم اسلام میں ترکی کے سابق وزیر حربیہ اور مومن مجاہد غازی انور پاشا مرحوم نے بالشویکی خطرہ کو صحیح طور پر محسوس کیا، انہوں نے ترکستان کے باشندوں کو منظم کر کے کمیونسٹوں کے خلاف زبردست محاذ قائم کیا، ۱۹۲۱ء۔ ۱۹۲۲ء میں ان کے اور بالشویکوں کے درمیان متعدد جنگیں ہوئیں۔ ۴ اگست ۱۹۲۲ء کو چکن نامی گاؤں کے قریب انہوں نے ایک روسی فوج پر حملہ کیا، غنیم کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس جنگ میں انور پاشا شہید ہوئے یہ جمعہ کا دن تھا اور ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ کی غالباً ساتویں تاریخ۔

اسی انقلاب سے نہ صرف یہ کہ وسط ایشیا کی خالص مسلم آبادی کے مردم خیز و تاریخ ساز ممالک، روسی و چینی ترکستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اور وہاں کی موجودہ اور آئندہ نسلوں کو نہ صرف ذہنی و تہذیبی ارتداد بلکہ اعتقادی و ایمانی ارتداد کے خطرے سے دوچار کر دیا۔ اور وہاں اسپین کی وہ تاریخ دہرائی جانے لگی جو نویں صدی ہجری میں پیش آئی تھی، بلکہ صرف اس تجتی براعظم کو نہیں ممالک عربیہ و مرکز اسلام کو بھی اس تحریک سے متاثر ہونے کے خطرے سے دوچار اور اس کا حلیف یا حریف بننے کا فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا، اور نوبت یہاں تک آئی کہ بعض عرب ممالک نے اس سے صرف اسلحہ، جدید مصنوعات ہی درآمد نہیں کیں، اس کی آئیڈیالوجی اور اس کا فلسفہ بھی درآمد کیا، اور اس کے پرجوش حامی اور داعی بن گئے اور اب ماضی قریب میں اس افغانستان پر بھی اس کا فوجی تسلط ہو گیا، جو اسلامی شجاعت اور حمیت کا معدن و مخزن تھا اور جس نے ہندوستان کو ہر دور میں لائق منتظم حاکم و قائد اور عالم و درویش مہیا کئے تھے، اور جو اس کی آزادی کا پاسبان اور اس کا بیرونی قلعہ تھا، اور اس طرح یہ فتنۂ عالم آشوب برصغیر کے دروازہ پر پہنچ گیا۔

وضو قائم رکھنے کے لئے جوتے پہننا بہت ضروری ہے ہر مسلمان کی کوشش ہونی چاہیئے کہ اس کا وضو قائم رہے۔

Adarts HSU 1/80
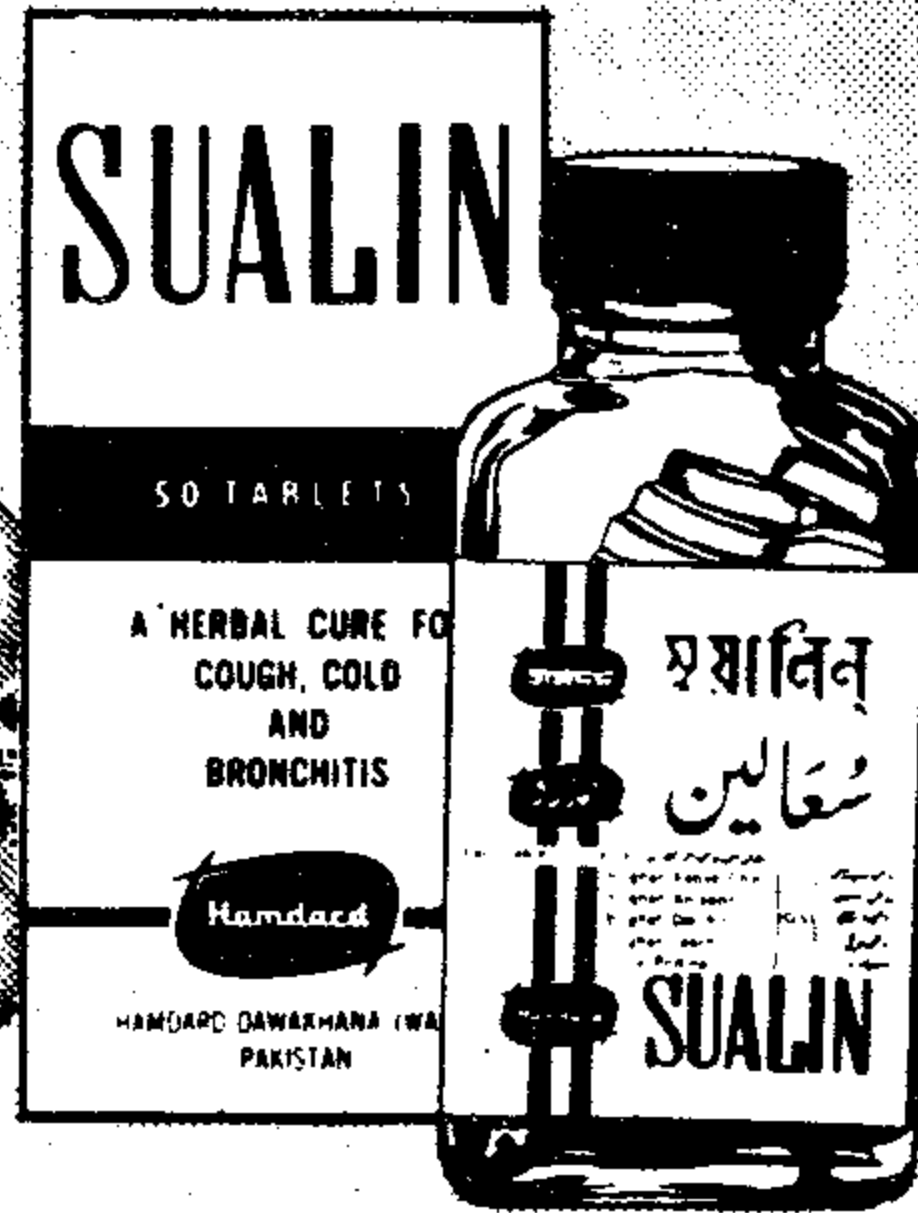
مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ
ضبط و ترتیب ۔ حافظ محمد ابراہیم فانی

دین اور حاملین دین کا مقام

(دارالعلوم حقانیہ میں مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہ کا خطاب)

مورخہ ۸ دسمبر بروز بدھ شیخ الاسلام والمسلمین مجاہد حریت اسیر مالٹا مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الصدق جمعیۃ علماء ہند کے صدر اور رابطہ عالم اسلامی کے ممتاز رکن مولانا سید اسعد مدنی دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے ۔ رات کو انہوں نے بعد نماز عشاء ۔ دارالعلوم کی وسیع جامع مسجد میں طلباء دارالعلوم سے ایمان پرور خطاب فرمایا جو کہ انہیں کے الفاظ میں نذر قارئین ہے (فانی)

خطبہ مسنونہ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ٥

حضرات گرامی قدر! مولانا مجاہد صاحب نے پشتو میں جسے میں نہیں سمجھتا ، تقریر فرمائی ہے ۔ اور اس نے خدا ہی جانتا ہے کیا کہا ہو گا ۔ مجھ جیسے نااہل کو والد صاحب اور حضرات اسلاف کے ساتھ جوڑا ۔ کوئی مجھے اچھا کہے یا برا کہے لیکن مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں میری تعریف ان حضرات اسلاف کی تنقیص تو نہیں ۔ مولانا کی تقریر کو مبالغہ آمیز شاعری سمجھو ۔ آپ دھوکہ میں نہ پڑیں ع

چوں اکذب اوست احسن اوست

مجھ پر کسی کو قیاس نہ کریں میں تو بالکل ہی نااہل ہوں ۔ دوسری بات ! ہندوستان کے مسلمان ہوں یا اور ان کی اگر خدمت کرتا ہوں تو یہ میرا کمال نہیں بلکہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے ۔ اللہ ہماری بھول چوک اور غلطیوں کو معاف فرما دے ۔ اس میں تعریف کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی ۔ (درمیان میں کسی نے رقعہ دیا کہ عربی میں تقریر فرمائیں ۔ اس کے جواب میں آپ نے عربی میں فرمایا) کہ فارسی عربی پڑھی ہے لیکن مشق نہیں کی ۔ اگرچہ عربی سبب اختصار کلام ہے ۔ باوجود عربی پر قادر نہ ہونے کے ان کی دلجوئی کے لئے معذرت کرتا ہوں ۔

محترم بزرگو ! میرے لئے یہ بات شرف کی ہے کہ میں مولانا صاحب کی ملاقات کے لئے مدرسے حاضر ہوا ۔

اور آپ کے ساتھ بھی ملاقات ہو گئی۔ طلبا کرام اللہ کا دین حاصل کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ پورے عالم کا مالک اللہ ہے اور یہ دنیا چندروزہ زندگی کا نام ہے۔ یہاں آج تک نہ کوئی ہمیشہ رہا ہے اور نہ رہے گا۔ جو بھی یہاں آیا۔ جانے کے لئے آیا۔ ہر قسم کے لوگ یہاں آتے۔ اور جو آتا ہے اس کی یہی خواہش ہے کہ اب اسے نہ چھوڑا جائے۔ لیکن کسی کی تدبیر نہیں چلتی۔ جو بھی آیا گیا۔ ہم کو بھی ایک دن جانا ہے۔ یہ دنیا مذرعۃ الآخرۃ ہے۔ انسان کو یہاں اس لئے بھیجا گیا کہ وہ اللہ کے ابتلاء اور امتحان سے کامیاب گزرتا ہے یا ناکام۔ اگر ہم آخرت کی زندگی کو سامنے رکھ کر اس کی تیاری کریں اور دنیا میں کھو نہ جائیں تو اس امتحان میں وہ کامیاب اور فائز ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ دنیا ہی کو مقصود بنالے اور آخرت کو بھول جائے تو پھر ناکام ہو جاتا ہے۔ فیل ہو جاتا ہے۔ اس کا درجہ گرایا جاتا ہے جو راستہ اس دنیا کی زندگی کو کامیاب کرنے کے لئے ہے اسے شریعت کہا جاتا ہے۔ اللہ نے وہ راستہ تجویز کیا اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے وہ راستہ بتایا جس ڈیوٹی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا جو آپ کا فرض منصبی تھا اس کی تیاری تمرین مشق اور اس کے علم حاصل کرنے کے لئے آپ یہاں اپنے گھر بار چھوڑ کر یہاں جمع ہوئے ہو۔

آپ کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرض منصبی کو ادا کرنے کے لئے تیاری کرنا ہے۔ صلاحیت پیدا کرنا ہے۔ استعداد پیدا کرنا ہے۔ اس لئے آپ کو اس مقصد کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہئے۔ اور اس کی ذمہ داریوں کے قابل بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر آپ اس تیاری سے غافل ہو جائیں اور اس مقام کے اہل بننے کی کوشش نہ کریں اور اپنا مقصود اس فرض منصبی کے بجائے خس و خاشاک بنالیں۔ گندگی کے ڈھیر بنالیں۔ مال و دولت کو بنالیں تو پھر یہ اس مقام کی اہانت ہوگی۔ توہین ہوگی۔ اس کو گرانا ہوگا۔

جہاں تک رزق کا تعلق ہے اللہ نے اس کا وعدہ کیا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو ماں کے پیٹ میں رزق دیا۔ اور جب تک کمانے کے قابل نہیں ہوتے وہ دیتا ہے۔ تو ہم جیسے نہیں ایسے حیوانات کو جو کچھ نہیں کر سکتے پتھروں کے اندر جنگلوں میں۔ پانی میں۔ سمندر میں اور دریاؤں میں اللہ رزق دیتا ہے۔ ربوبیت ہے اس کی شان ہر ایک کی شان کے مطابق۔ ضرورت کے مطابق دیتا ہے۔ جب تک ہم غافل تھے بے خبر تھے اور خدا جانے کیسے کیسے حال میں تھے تب تک وہ دیتا رہا۔ اور جب ہم اس کی ڈیوٹی۔ اس کا کام۔ اس کا حکم بجالائیں گے اور زندگی اس کے کام میں لگائیں گے۔ تو وہ بند کر دے گا۔ اور رزق نہیں دے گا۔ اور اگر ہم اس کے کام سے غافل ہو کر دنیا کو مقصد بنالیں تو وہ رزق دے گا۔ یہ شیطانی غلبہ اور وسوسہ ہے۔ تنہا وہ سب کچھ دینے دلوانے والا ہے۔ سارے عالم کو دیتا ہے۔ اس کے دین کے خادم جو ہوں گے ان کو وہ نہیں دے گا۔ یہ شیطان کا وسوسہ اور خیال ہے۔ رہا یہ بات کہ کتنا دے گا۔ کیسے دے گا۔ اور مشکل کوئی پڑے گی یا نہیں پڑے گی۔ تو یہ ہر

لائن میں ہوتی ہے۔ اور جس سے تعلق ہوتا ہے پاس خاطر ہوتا ہے توجہ ہوتی ہے۔ اسی کو چھیڑا جاتا ہے اسی کو تکلیف دی جاتی ہے۔ اسی کے ساتھ کبھی کوئی ایسا کام ایسی چیز پیش آتی ہے جو بظاہر تعلق کے مقتضی کے خلاف ہو اور جس سے مغائرت ہوتی ہے اس سے آدمی کبھی کوئی بات نہیں کرتا ہے۔ اگر کسی کے پاس کپڑے ہوں پانچ جوڑے ایک ان میں سے زیادہ عمدہ اور پسندیدہ ہو تو وہ ان پانچ میں سے اسی ایک جوڑے کو بار بار پہنے گا۔ جو اسے زیادہ پسندیدہ ہے۔ وہ زیادہ استعمال ہو گا۔ تو میلا بھی زیادہ ہو گا۔ اور جو میلا زیادہ ہو گا۔ اس کو دھلوایا بھی زیادہ جائے گا۔ اور جب وہ دھلنے کے لئے جائے گا تو وہ اٹھایا جائے گا۔ رکھا جائے گا پٹکا جائے گا۔ رگڑا جائے گا۔ اور اس پر یوں ہے کی استری کی جائے گی اس کو تہہ لگائی جائے گی۔ اور بار بار پہنا جائے گا۔ (نعرہ ہائے تکبیر و تحسین)

جس سے تعلق ہوتا ہے اسی کو تکلیف دی جاتی ہے اور جو غیر ہے اس سے توقع نہیں۔ اس سے مناسبت نہیں جس سے قرب نہیں اس کو کوئی کیا کہے گا۔ اور جس سے کوئی مناسبت ہو گی۔ اس کو تکلیف دی جائے گی۔ اسی کو۔ اس کی دلیل آقائے نامدار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل فالامثل او کما قال ؐ

حضورؐ فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ مصیبتیں اللہ کے نبیوں کو آتی ہیں۔ سب سے زیادہ اشد الناس بلاءً تو انبیاء کرام کو اس عالم میں مخلوقات میں سب سے زیادہ بلائیں اور مصیبتیں پیش آئیں۔ افتاد پڑی۔ اور جو جتنا ان جیسا ہو گا۔ امثل ہو گا۔ زیادہ مثلیت پائی جائے تو انہیں بھی زیادہ مصیبتیں پیش آئیں گی۔

تو بھائی یہ اصول ہے۔ یہ قاعدہ ہے۔ یہ جو اشد الناس بلاءً ہے کیا اللہ تعالیٰ ان کو ناز و نعمت عیش و عشرت نہیں دے سکتا۔ یہی تو کفار مکہ کہتے تھے کہ نبی کریمؐ اگر اللہ کے رسول ہیں تو چھت سونے کی اور دیواریں ایسی پہاڑ سونے کی کیوں نہیں بنے۔ اور حضورؐ کے آگے پیچھے فرشتے کیوں نہیں اترتے۔ اور آپ بھوکے کیوں ہیں۔ ہم اولادوں والے۔ مال والے۔ اور حضورؐ کے پاس کچھ نہیں۔ فاقے ہیں۔ ان کی عقل سے یہ بات باہر تھی کہ جس سے محبت ہوتی ہے اسے ستایا جاتا ہے اور جس سے محبت نہیں ہوتی اسے کوئی کیا ستائے۔

تو بھائی۔ اگر تکلیف کوئی دنیا میں آتی ہے تو دین داروں کو۔ خادمین دین کو۔ تو یہ عدم قبولیت کی علامت نہیں بلکہ قبولیت کی علامت ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لقد اخفت فی اللّٰہ ولا یخاف احدٌ لقد اُوذیتُ فی اللّٰہ ولا یؤذی احدٌ او کما قال

بھائی یہ ایذا اور تکلیف یہ کبھی محبت کی علامت ہوتی ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر استقامت ہو صبر و شکر ہو تو یہ خیر ہی خیر ہے۔ اور ناشکری ناسپاسی رونا دھونا اور تمام خرافات اور بے صبری ہو تو یہ مصیبت ہے

اللہ سے تعلق رکھنے والوں کو اللہ کے عشاق اور محبوب لوگوں کو اس میں لطف آتا ہے۔ مزہ آتا ہے۔ انہیں راحت سے اتنا مزہ نہیں آتا۔ جتنا مصیبت میں مزہ آتا ہے۔ حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو جس دن کوئی فاقہ یا پریشانی یا مصیبت نہ آتی تو رویا کرتے کہ میرا محبوب آج مجھے بھول گیا۔

تو میں بات کہہ رہا تھا کہ وہ رازق ہے سارے عالم کا۔ تو اسے اپنے دین سے دشمنی نہیں ہے کہ دین کے خادموں کو بھوکا رکھے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ مصیبت اور مشکل پیش آئے۔ اور یہ ہوتا ہی ہے۔ تعلق کی بھی علامت ہو سکتی ہے۔ بے تعلقی کی علامت ہو، ایسی بات غلط ہے۔ تو اس لئے اور دنیا میں کوئی ڈھونڈ کر نکالا نہیں جا سکتا۔ جسے پریشانی اور مشکل نہ ہو۔ مختلف احوال۔ مختلف صورتیں۔ مختلف درجے۔ سب کو غم الگ الگ ہے۔ کسی کا کچھ۔ کسی کا کچھ اور کسی کا کچھ۔ ہر آدمی کو اپنی مصیبت زیادہ نظر آتی ہے۔ دوسرے کی نہیں نظر آتی۔ یہ اس کی کوتاہ فہمی ہے۔ ورنہ سب کو غم۔ کسی کا کوئی غم ہے۔ کسی کا کوئی غم ہے۔ دنیا تو ہے ہی ایسی جگہ۔ ان سب غموں سے صرف نظر کر کے اپنے اصلی کام کو سامنے رکھو۔ اگر آپ جا رہے ہیں۔ سفر کر رہے ہیں وقت پر پہنچنا ہے اور راستے میں کوئی آپ کو گالی دے رہا ہے۔ تو آپ گالی کی وجہ سے جانا نہیں چھوڑتے اگر آپ کو سواری میں بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تو آپ سفر نہیں چھوڑتے۔ اگر آپ کو کوئی اور قسم کی دقت پیش آئی تو کام کی عظمت اور ضرورت جو ہے وہ آپ کو اس کو برداشت کر کے اگلی طرف دیکھنے دیتا ہے۔ اسی طریقے سے یہ جو احوال زندگی میں پیش آتے ہیں ان کی وجہ سے اصلی کام کو بھول جانا، یہ انسان کی بہت بڑی غلطی اور حماقت ہے۔ اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس لئے کام سے کام ہونا چاہئے۔

سو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا بڑا اشرف عطا فرمایا ہے۔ آپ یقین جانیں کہ جس طرح اللہ نے آپ کو انسان بنایا۔ آپ کے اختیار میں نہیں۔ خدا نے بنایا۔ مکھی نہیں بنایا۔ پتھر نہیں بنایا۔ درخت نہیں بنایا۔ جانور نہیں بنایا۔ گدھا۔ کتا۔ سانپ۔ بلی۔ بچھو نہیں، انسان بنایا۔ اپنی مہربانی سے۔ پھر انسان بنا کر آنکھیں دیں۔ اندھا نہیں بنایا۔ کان دیئے۔ بہرہ نہیں بنایا۔ زبان دی۔ گونگا نہیں بنایا۔ ہاتھ دیئے لُنجھا نہیں بنایا۔ پاؤں دیئے، لنگڑا نہیں بنایا۔ اور یہ سب کچھ دینے کے بعد اپنی مہربانی سے مسلمان کے گھر پیدا کیا۔ ایمان دیا۔ اگر کسی کافر کے گھر پیدا کر دیتا تو ایمان حاصل کرنے کی توفیق ضروری ہو جاتی۔ سمجھ لیتے۔ اختیار کر لیتے۔ یہ کوئی ضروری نہیں اور آج بھی اس کی مہربانی ہے۔ کہ اس نے دل و دماغ کو ایمان پر قانع اور راضی کر رکھا ہے۔ اس کی شان بے نیازی بڑوں بڑوں کو اس نے دھتکارا ہے۔ بڑے بڑے سند والے۔ بڑے بڑے علم و فضل والے۔ اس کی شان بے نیازی کے سامنے ٹھوکر کھا کر ایمان سے محروم ہوئے ہیں۔

ایک بزرگ کا قصہ مشہور ہے۔ میں نے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں مطاف

میں دیکھتے تھے۔ ایک آدمی نماز پڑھتے۔ دعائیں مانگتے۔ طواف کرتے۔ ہر حالت میں روتے۔ اور جب ایمان پر خاتمہ کے لفظ پر آتے تو بلک بلک کر، تڑپ تڑپ کر بے صبر ہو جاتے۔ ایک دن۔ دو دن۔ تین دن۔ ہمیشہ یہی حالت آخر کوشش کر کے اسے ایک دن پکڑا۔ بھائی! ایمان پر خاتمہ تو ہر ایک کے لئے ضروری ہے اور سبھی مانگتے ہیں اور خدا کے فضل کے علاوہ کوئی صورت اس کے حاصل کرنے کی نہیں۔ لیکن تیرا یہ حال کیوں ہے۔ بس زبان پر ایمان کے خاتمہ کا لفظ آیا، اور تو بالکل بے قابو ہو جاتا ہے۔ بات کیا ہے۔

اس نے کہا جاؤ جاؤ اپنا کام کرو۔ میں کسی کو نہیں بتاتا۔ نہیں بھائی بتاؤ تو سہی۔

ارے بھائی جاؤ تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ وہ لپٹ گئے نہیں مانتے۔ جب بہت گھیرا تو کہنے لگے۔ کہ ہمارا خاندان اس مسجد حرام کا مؤذن ہے۔ پہلے سے ہم لوگ مؤذن ہیں۔ اور میں بھی موذن ہوں۔ اور میرا بڑا بھائی جو اس مسجد کا موذن تھا۔ جب اس کے انتقال کا وقت آیا۔ تو اس نے کہا قرآن لاؤ۔ اس کے لئے قرآن لایا گیا۔ اور العیاذ باللہ۔ العیاذ باللہ۔ اس نے قرآن اٹھا کر پھینکا اور مر گیا۔

یہ منظر ہم لوگوں نے دیکھا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر کیا ہو گیا۔ تو اس دن سے مجھے یاد آ گیا۔ کہ حرم پاک کا موذن۔ اور یہ کیا مرتے وقت۔ تڑپتا ہوں۔ مجھے سکون نہیں ہے۔ کیا ہو گا میرا۔ میرے بھائی کا یہ حشر ہوا۔ میرا کیا ہو گا۔ بڑی مصیبت اور پریشانی ہے۔ اس لئے روتا ہوں کہ یا اللہ مہربانی کر۔

وہ بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے یہ فکر ہو گئی کہ دیکھوں اس کا رونا کام آتا ہے یا نہیں۔ کہتے ہیں کچھ دن گذرے کہ اسے میں نے دیکھا نہیں۔ تو میں نے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے۔ معلوم ہوا کہ بیمار ہے۔ میں جانے لگا اس کی مزاج پرسی کے لئے۔ اور کئی دن جاتے جاتے ایک دن معلوم ہوا کہ طبیعت زیادہ خراب ہے۔ یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت آیا۔ اس کے اعزہ جمع ہیں۔ میں بھی ہوں۔ اس نے کہا قرآن لاؤ۔ تو آدھے آدمی انا للہ پڑھ کر اٹھ بیٹھے۔ اس کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ قصہ خراب ہے۔

پھر اس نے کہا نہیں گھبراؤ مت لاؤ۔ لاؤ۔ جب لائے تو اس نے ہاتھ میں لیا اور سر پر رکھا اور چوما۔ سینے پر رکھا اور کہا گواہ رہو۔ اللہ ایک ہے یہ اللہ کا کلام ہے اور کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے چلے گئے۔

بھائی! اس کے یہاں کچھ نہیں چلتا۔ اس کے یہاں چلتی ہے عاجزی۔ اس کے یہاں چلتی ہے انکساری وہ شخص بچ نہیں سکتا جو اپنے آپ کو بڑا کہے، بڑا بنائے اور بڑا دکھائے۔ کس کی بڑائی ہے جو خدا کے سامنے بڑا اشمار ہو۔ حدیث قدسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کہتا ہے

الکبریاء ردائی فمن نازعنی فی ردائی کببتہ فی النار او کما قال

جو تکبر اختیار کرے، چاہے وہ علم کا ہو۔ چاہے وہ بزرگی کا ہو۔ چاہے وہ پیری کا ہو۔ چاہے وہ سیادت

کا ہو۔ کسی قسم کا بھی ہو۔ اس سے اللہ نے جنگ مول لی۔ اور اسے کہیں پناہ نہیں ملتی۔ بھائی اس کے ہاں کوئی کسی کا کچھ نہیں چلتا۔ عاجزی ایسی چیز ہے کہ اس کا کوئی جواب نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ اللہ فرماتے ہیں۔

انا عند المنکسرۃ قلوبہم جن کے دل ٹوٹے ہوتے ہیں جن کا کوئی سہارا نہیں اللہ ان کے ساتھ ہے۔

بھائی میں بھٹک بھٹک کے چلا جاتا ہوں۔ میرا کوئی موضوع نہیں۔ میں تو عرض صرف اتنا کر رہا تھا کہ وہ بہت بے نیاز ہے۔ کوئی کسی کا صرف اس کی مہربانی ہے۔ جو کچھ ہم کرتے ہیں۔ کچھ اللہ کو نہیں چاہتے۔ یہ تو اپنے لئے تیار کرتے ہیں۔ اس کے دربار کے جب قابل ہو تب اس میں شرکت ہو۔ اور جب ریا ہو جائے اور جب سنع ہو جائے اور جب تکبر ہو جائے تو پھر اس میں شیطان خبیث شریک ہو گیا۔ نفس شریک ہو گیا۔ اللہ کو وہ عمل بالکل منظور نہیں۔

دنیا میں جو چاہے۔ اس لئے بھائی۔ اللہ تعالیٰ تو عاجزی پسند کرتا ہے۔ انکساری عاجزی اپنے فضل و کرم سے وہ عطا کرتے ہیں، کسی بندے کو۔ اس سے بڑی دولت اس سے بڑی کامیابی اور کام آنے والی چیز کوئی نہیں یہ تمام جتنی برائیاں ہیں جتنے تکبر کے سامان ہیں سب شیطانی دولت ہے۔ سب نفسانی خواہش ہے۔ سب جہنم کا سامان ہے اس میں کوئی چیز حقیقت نہیں۔

بھائی کیا ہے۔ جن چیزوں پر شیطان غرور کرتا ہے ان میں سے کوئی چیز اپنی نہیں۔ اگر ہے بھی کچھ تو سب اللہ کا ہے۔ پرائی دی ہوئی چیز پر انسان تکبر کرے اس سے بڑی حماقت کیا ہے۔ تو خیر میں بہت دور چلا گیا۔ میں تو صرف اتنا عرض کر رہا تھا۔ آپ حضرات پر اللہ کا کرم ہے کہ اس نے آپ کو یہاں اپنے فضل و کرم سے منتخب کیا ہے دین کے لئے۔ اگر اس کی مہربانی نہ ہو تو یہ دل دین پر کھل نہیں سکتا۔ ایمان قبول کرنا یہ بھی اللہ کے کرم کی بات ہے۔ افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فہو علیٰ نور من ربہ۔ یہ اللہ کا کرم ہے۔ بہت بڑا کرم ہے۔ اسی طریقے سے جس طرح وہ ایمان کے لئے شرح صدر فرماتا ہے۔ مہربانی کرتا ہے دولت نوازتا ہے۔ اسی طرح اس کی مہربانی کی بات ہے کہ وہ دین کی خدمت کے لئے دل و دماغ کو تیار کرتا ہے۔ قلب میں بیج ڈالتا ہے دین کا اور دین کی خدمت کا۔ ہم پر اور آپ پر سب پر اس کا شکر واجب ہے۔ اور اس کے حق کو ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

تو بھائی اتنی بڑی مہربانی۔ کرم عنایت اور اجتبا کے بعد پھر اس سے گر کر دنیا کو مقصود بنا لینا۔ جب کہ دنیا کسی کی نہیں۔ ہمیشہ اپنے صاحب کو دھوکہ دیا۔ برباد کیا۔ اسے اپنا مقصود بنا لینا اس سے بڑی ناکامی نہیں۔

اس لئے بھائی! اللہ نے جس مقام پر پہنچایا اس کا حق ادا کرو۔ اور دین کی خدمت کے لئے تم دین کی خدمت کرو۔ تو پھر اللہ کا وعدہ ضرور سچا ہوگا۔ اور تمہیں انشاء اللہ عزت ملے گی۔ اور اجر و ثواب ملے گا۔

(باقی ص ۴۳ پر)

★ سفر امریکہ کے تاثرات

حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند

دیوبند (بذریعہ ڈاک) حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم دارالعلوم دیوبند کے سفر امریکہ و یورپ سے واپسی پر طلباء دارالعلوم نے ۸ دسمبر کو دارالحدیث فوقانی میں ایک عظیم مقدمی اجلاس منعقد کیا۔ حضرت حکیم الاسلام مدظلہ نے سفر کے تاثرات پیش کرتے ہوئے فرمایا:-

بزرگان محترم! برادران عزیز طلباء۔ آپ حضرات نے اپنے ناکارہ خادم کو یاد فرمایا۔ یہ آپ کی محبت اور اخلاص کا داعیہ ہے۔ انگلستان و امریکہ کے طویل سفر سے مراجعت پر آپ کے والہانہ جذبات غیر معمولی تعلق و محبت کی علامت ہیں۔ ۳۵، ۴۰ ہزار میل کی مسافت طے کر کے وطن واپس ہوا۔ امریکہ کا رقبہ ہندوستان سے تین گنا بڑا رقبہ ہے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر کا فاصلہ ہزار ہا میل متجاوز ہوتا ہے۔ ان کا سفر عام طور سے ہوائی جہاز سے کیا جاتا ہے۔ امریکہ میں نیویارک۔ شکاگو اور پھر واشنگٹن جانا ہوا۔ پھر انگلستان ایک حادثہ کے سبب جانا ہوا۔ بذریعہ فون حادثہ کی اطلاع ملی۔ ہمارے دارالعلوم کے دو فاضل محمد ابراہیم صاحب ڈیسائی اور مولانا محمد یعقوب صاحب اور دوسرے دو عالم اور ایک ڈرائیور پانچ نفر کار کے حادثہ میں شہید ہوئے۔ میں وہاں پہنچا ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور پسماندگان سے اظہار تعزیت کیا۔

امریکہ اور یورپ میں جو دیکھا وہ تمدن کے نام پہ مادیت پسندی کا فروغ دیکھا۔ زندگی کے سارے معمولات مشینوں کے ذریعہ پوری کرنے کی کوشش کی گئی ہے حتیٰ کہ بیت الخلاء میں پانی لینے کے لئے اور دوسری ضرورتوں کے لئے مشین کی مدد لی جاتی ہے۔ بیت الخلاء میں قالین ہوتے ہیں۔ ان قالینوں پر جھاڑو مشینوں کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ ان کی دھلائی اور صفائی مشینیں کرتی ہیں۔ مکانات کی زیبائش و آرائش بھی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ ۵۰، ۶۰ منزلہ مکانات ہیں بعض بلڈنگیں ۱۲۰ منزل کی ہیں۔ ان منزلوں پر لفٹ کے ذریعے چڑھتے ہیں۔

لوگوں نے تمدن کی بابت سوال کیا۔

میں نے کہا کہ تمدن اب انتہا کو پہنچ چکا ہے ۔ اب تو اس کے زوال اور تنزلی کی منزل ہے ۔ اگر راحت پسندی کو مقصد حیات بنا چکے ہیں تو یہ چیز تعطل اور بیکاری کا ذہن بناتی ہے ۔ استعجال اوقات اور افزائش دولت بھی تمدن کے نام پر اپنا رنگ دکھا رہی ہے ۔ انسانی شرافت اور اخلاقی قدریں پامال ہو رہی ہیں ۔ بیگانگی خود غرضی اور نفس پرستی کو فروغ مل رہا ہے ۔

ایک سیمینار میں مجھ سے ان چیزوں کا حل معلوم کیا گیا ۔ میں نے کہا اسلامی تعلیمات اور اخلاقیات کو مشعل راہ بنا کر انسانی خدمت کا جذبہ پیدا کیا جائے ۔ وعظ و تلقین وقتی چیزیں ہیں ۔ ان کے اثرات عموماً دیرپا نہیں ہوتے تعلیم و تربیت اصلاح نفس کا مؤثر ذریعہ ہے ۔ آپ اپنے نوجوانوں کو دارالعلوم دیوبند اور دوسرے علمی دینی اداروں میں بھیجیں تاکہ وہ علم دین سے آراستہ ہو کر اپنے علاقوں میں دعوت و ارشاد کا فریضہ انجام دے سکیں مولانا نذیر احمد صاحب پالنپوری اور جناب صوفی عبدالرحمن صاحب جو بمبئی میں رہتے ہیں ۔ اپنے اپنے علاقوں میں دین کو فروغ دینے میں بڑی جانفشانی کی ۔ مصیبتیں اٹھائیں اور حق کی خاطر اہل ضلالت سے نبرد آزما رہے ۔ ماشاء اللہ آج پالن پور ۔ احمد آباد اور دوسرے علاقوں میں مدارس اور دینی مراکز قائم ہو چکے ہیں ۔ اور اسلامی تعلیمات کو فروغ مل رہا ہے ۔ آپ اپنی نسلوں کو اگر ہند و پاک اور ایشیا کی دوسری درسگاہوں میں بھیجا تو انشاء اللہ ایک دہائی سے قبل آپ کا علاقہ علوم نبویہ کے انوار سے جگمگا اٹھے گا ۔ اور پورا ماحول دینی اور اسلامی بن جائے گا ۔ آپ اپنی نسلوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ پورا کریں ۔ اس مجلس میں مختلف لوگوں نے اپنے نوجوانوں کو دینی درس گاہوں میں بھیجنے کا عزم ظاہر کیا ۔ اور توقع ہے کہ امریکہ و یورپ کے مسلم نوجوان ہماری درسگاہوں میں آکر تحصیل علم کریں گے ۔

حضرت حکیم الاسلام نے تمدن کے بارے میں اسلامی نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمدن کوئی بری شے نہیں ۔ وہ تمدن مذموم ہے جس کی بنیاد نفسیات اور خود غرضی پر ہے ۔ اور جو انسانیت کو مادیت کا غلام بنائے وہ تمدن جس کی بنیاد اخلاقیات اتحاد ۔ ایثار تعاون باہمی اور خدمت خلق پر وہ قابل ستائش ہے ۔ اسلام نے اسی تمدن کی تعلیم دینی ہے اور اسلام کے علمبرداروں نے ہر دور میں اس تمدن کو قائم کرنا اپنا مشن بنایا ہے ۔ مسلم مفکرین اور فلاسفہ نے انسانوں کی راحت و فلاح کے لئے بہت سی چیزوں کو ایجاد بھی کیا ۔ ترقی انسان کی شرکت اور فطرت میں ہے ۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر دور کے انسانوں نے اپنے زمانہ کے مقتضی اور ماحول کے مطابق ترقی کی ۔ امریکہ کی ایک خاتون نے (اندلس کا ماضی و حال) نام سے ایک کتاب لکھی جس میں بتایا کہ تقریباً ۵۰، ۶۰ ، ایجادات مسلمانوں کی ہی سائنسی ترقیات میں مسلمانوں کا بھی بڑا حصہ ہے ۔ روسی سائنسدانوں نے کہا ہے کہ چاند پر پہنچنے کا تخیل ایک مسلم فلاسفر کی کتاب سے ہمیں ملا ۔ اور ہم چاند پر پہنچے ۔

ہمارے طلبہ کو خدمت اسلام کے لئے علوم اسلامیہ میں مہارت پیدا کرنی چاہئے۔ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کی طرف پورا دھیان دینا چاہئے۔ علوم میں کمال حاصل کئے بغیر ہم اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتے۔ آپ نے فلسفہ کی کتابوں میں تہذیب اخلاق۔ تدبیر منزل اور سیاست مدن پڑھا ہے۔ فلاسفہ نے یہ نظریہ شریعت مطہرہ کی تعلیمات سے اخذ کیا ہے۔ شریعت نے مکارم اخلاق پر زور دیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:۔

"میں مکارم اخلاق کی تعلیمات کے لئے بھیجا گیا ہوں"۔

پیغمبر اسلام کی تعلیمات تہذیب اخلاق کا سرچشمہ ہیں۔ شریعت نے تدبیر منزل کا پروگرام پیش کیا ہے۔ آج کی سیاست گندی سیاست ہے جس میں مکر و فریب اور دغا و ظلم لازمی عناصر کا درجہ رکھتے ہیں۔ شریعت نے سیاست مدن کا جو پروگرام پیش کیا وہ خشیت الٰہی، عدل و انصاف اور خدمت خلق کے فارمولے پر مبنی ہے۔

آپ حضرات جس علم کی تحصیل میں لگے ہوئے ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ انبیاء کرام کے مشن کو سمجھیں اور ان کے نقش قدم پر چل کر اللہ کے دین کو پھیلائیں۔ دعوت ارشاد کا فریضہ انجام دینے کی صلاحیت علوم نبویہ میں پختگی پیدا کرنے کے بعد حاصل ہوگی۔ ہمارے اکابر اپنا سب کچھ علم پر قربان کر دیتے تھے علم کی شرط بھی یہ ہے کہ آپ اگر اس کو سب کچھ دیں گے تب وہ اپنا کچھ حصہ آپ کو دے گا۔

بقیہ ص ۴۰

اور اللہ کا دین سرسبز و شاداب ہوگا۔ تمہیں وہ حدیث یاد کرنی چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رخصت کر رہے ہیں یمن کے لئے۔ اور ساتھ ساتھ چل رہے ہیں اور فرما رہے ہیں۔ یا علی لو یہدی بک۔ تیرے ذریعے ایک آدمی ہدایت پا جائے۔ سیدھا راستہ معلوم کر لے۔ تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

بھائی! اللہ کے کسی بندے کو ہدایت مل جاتے۔ راستہ مل جائے۔ کوئی ہدایت خدمت کے قابل ہو جائے تو بہت بڑی بات ہے۔ صدقہ جاریہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے بھائی اللہ کے بندوں کی خدمت اور ہدایت اسے معمولی کام نہ سمجھو۔ یہ کروڑوں روپے کی دنیا کمانے سے ہزار درجہ زیادہ بڑا کام سمجھو۔ اور اس نعمت پر خدا کا شکر ادا کرو۔ اور اللہ کے دین کے لئے جو بھی اللہ توفیق دے اس سے پہلو تہی اور اعراض نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات میں استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور نفس و شیطان کے کید و مکر سے بچائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ہماری اور دوسری فضائی کمپنیوں کی مشکلات
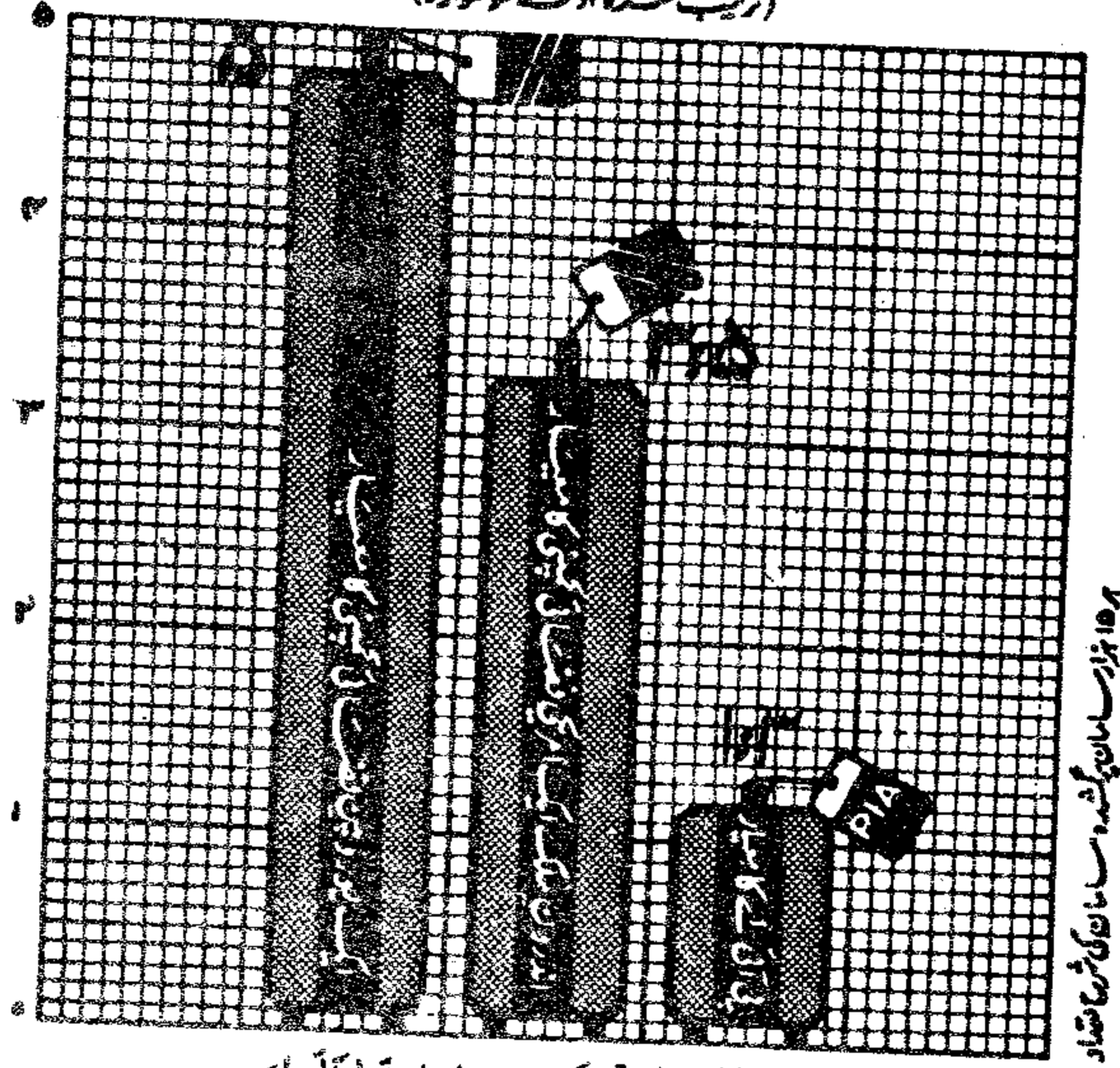
(اسٹینفورڈ ریسرچ انسٹیٹیوٹ کا تعین کردہ حساب برائے پی آئی اے
ہر ۱۵ ہزار سامان پر ۵ عدد)

دنیا کی فضائی کمپنیوں کے لئے سامان کی گمشدگی ایک کروڑ ۵۰ لاکھ امریکی ڈالر کا مسئلہ

ایاٹا (IATA) کے مطابق دنیا کی تمام فضائی کمپنیاں اپنے مسافروں کے سامان کی گمشدگی کے مطالبات پر ہر سال ایک کروڑ ۵۰ لاکھ امریکی ڈالر سے زیادہ بصورت تاوان صرف کرتی ہیں، اور ان میں سے بیشتر فضائی کمپنیاں اس حقیقت کا اعتراف کرتی ہیں کہ مسافروں کی شکایات کا سب سے بڑا مرکز ان کے سامان کی گمشدگی کا ہے۔ اور یقیناً جسے بہتر سے بہتر بنانے کی فوری ضرورت ہے۔

پی آئی اے بھی ان شکایات سے مستثنیٰ نہیں، بجا طور پر ہم بھی اعتراضات کے شکار ہوتے ہیں۔ لیکن مجموعی فضائی صنعت کا موازنہ ہم یوں کرتے ہیں:۔

۱۹۷۷ء میں ہم نے سامان کی گمشدگی کے جو مطالبات وصول کئے وہ ہر ۱۵ ہزار سامان پر ۱٫۰۳ کی شرح سے زائد نہ تھے۔ یہ شرح مزید کم ہو سکتی تھی اگر ایاٹا کے قواعد و ضوابط کے مطابق مسافروں نے اپنے سامان پر شناختی پرچیوں کو نمایاں جگہ چسپاں کر کے ہم سے تعاون کیا ہوتا۔

اسی عرصہ میں یعنی ۱۹۷۷ء دنیا کی ممتاز فضائی کمپنیوں نے سامان کی گمشدگی کے جو مطالبات وصول کئے وہ ہر ۱۵ ہزار سامان پر ۳٫۵ کی شرح سے بھی زیادہ تھے۔ ان فضائی کمپنیوں کو جدید ایئرپورٹ ٹرمینل، آٹومیشن اور کمپیوٹرائزیشن کی بہترین سہولتیں میسر ہیں، پھر بھی ان کی کارکردگی پر شدید اعتراضات ہوتے ہیں، یہاں تک کہ امریکہ کی ایک مشہور و معروف فضائی کمپنی کو ۲۰ ہزار غیر مطمئن مسافروں کے سامان کی گمشدگی کے سلسلے میں ۳۰ لاکھ امریکی ڈالر کی ادائیگی سے دوچار ہونا پڑا۔

آج جبکہ دنیا کی بیشتر فضائی کمپنیاں مطالبات کی ادائیگی اور سفری سہولتوں کو بہتر بنانے کے لئے ایک کثیر رقم خرچ کرنے پر مجبور ہیں، پی آئی اے کی گمشدگی سامان کی شرح میں متواتر کمی کی وجہ سے اس سال ہمارے بیمہ ایجنٹ نے بیمہ کی شرح میں ۱۰ فیصد سے بھی زیادہ کی کر دی ہے۔ بلاشبہ یہ پی آئی اے کی اعلیٰ کارکردگی پر اعتماد کی ایک روشن دلیل ہے۔

ہماری تمام تر کارکردگی کے پیش نظر اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ جدید سہولتوں کے فقدان کے باوجود پی آئی اے ہمیشہ اپنی خدمات کے اعلیٰ معیار کو برقرار رکھتا ہے اور جہاں بھی ممکن ہوتا ہے، دنیا کی بہترین فضائی کمپنیوں سے بھی بلند معیار پیش کرتا ہے۔

PIA پی آئی اے

مکتوب تھائی لینڈ

کمبوڈیا اور تھائی لینڈ کی مسلمان اقلیت

الحق کے وقائع نگار خصوصی ـــــ جناب خلیل اللہ مقیم تھائی لینڈ کے قلم سے

الحق نے عالم اسلام اور مسلمان اقلیت کے ممالک میں وہاں کے مسلمانوں کے علمی سیاسی اور دینی سرگرمیوں پر تازہ مراسلے قلم بند کرنے کے لئے کئی ایک ممالک میں وقائع نگار خصوصی حضرات کی تقرری کا پروگرام بنایا ہے اس سلسلہ میں ہمارے ایک مخلص دوست خلیل اللہ صاحب مقیم تھائی لینڈ کا تازہ مراسلہ ملاحظہ کیجئے۔ ان شاء اللہ دیگر ممالک سے بھی تازہ رپورٹیں ہر ماہ حاصل کی جاتی رہیں گی

ادارہ

مسلمانان کمبوڈیا کی حالت زار | جیسا کہ قارئین کو معلوم ہوگا کہ دو سال قبل افغانستان پر روس نے فوجی یلغار کی۔ اور اس یلغار میں لاکھوں مسلمان شہید ہو چکے ہیں اور لاتعداد مویشی ہلاک اور کروڑوں کی املاک تباہ ہوئی۔ اور افغانستان کی پرسکون فضا کو قیامت صغریٰ میں تبدیل کر دیا۔

اسی نوعیت کا فوجی اقدام روس کی مدد سے ویت نام نے کمبوڈیا میں کیا۔ جس میں لڑائی کے دوران تھائی لینڈ کے اخباروں کے مطابق ۳۰ لاکھ کے لگ بھگ جانیں ضائع ہوئیں۔ اور تین لاکھ سے زائد افراد مہاجر ہو کر تھائی لینڈ میں داخل ہوئے۔ جو بے یار و مددگار آسمان کی کھلی چھت کے نیچے اپنی زندگی کے سخت لمحات گذارنے لگے۔ اور آج تک اسی امید میں بیٹھے ہیں کہ کب حالات سازگار ہوں اور وہ دوبارہ واپس جائیں۔ لیکن اس انتظار میں پورے چار سال گذر گئے۔

حال ہی میں کچھ مہاجرین امریکہ۔ فرانس۔ کینیڈا اور آسٹریلیا نے لے کر وہاں آباد کرائے۔ مگر ان ممالک نے اکثر ایسے عوام لئے جو زیادہ تر عیسائی مذہب کے تھے۔ بدھ مذہب والے بہت تھوڑے تھے۔

باقی مہاجرین جو تاحال تھائی لینڈ کی سرزمین پر مہمانی کے ایام کاٹ رہے ہیں ان میں دو ہزار پانچ سو مسلمان بھی ہیں ان میں اکثریت بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کی ہے۔ نوجوان نہ ہونے کے برابر ہیں۔

حال ہی میں تھائی لینڈ کی تنظیم اخوان المسلمین کے چند اہل کاروں نے ان مہاجر کیمپوں کا دورہ کیا۔ اور کمبوڈیا کے مہاجر مسلمانوں سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ ان مہاجرین مسلمانوں نے کمبوڈیا میں مسلمانوں کی حالت زار سنائی تو آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ ان کی انداز گفتگو ایسی قابل رحم تھی کہ سننے والے بھی اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان مسلمان کیمپوں میں اس چار سال کے طویل عرصہ میں آج تک کسی بھی مسلمان ملک کا سربراہ نہیں آیا۔ اور نہ عام مسلمانوں نے ان سے کوئی ہمدردی کی۔ انہیں شکایت تھی کہ اللہ کے فضل وکرم سے آج کل اکثر اسلامی ممالک آسودہ حال ہیں مگر اُن کی وافر دولت سے کمبوڈیا کے غریب اور خستہ حال مسلمان محروم رہے اور نہ ہی کسی مسلمان ملک میں ان کے آباد کرنے کا بندوبست کیا گیا۔ انہوں نے زوردار الفاظ میں کہا کہ ان کی اس فریاد اور دکھ کو تمام اسلامی دنیا کو خبردار کیا جائے۔

اگرچہ دور حاضر میں مسلمانوں کے مسائل بہت زیادہ ہیں مگر ان مہاجرین کا مسئلہ بھی بجائے خود کافی اہمیت کا حامل ہے۔

کمبوڈیا کے مسلمان مہاجرین تمام اسلامی ممالک سے اپیل کرتے ہیں کہ ان کے مسائل پر غور فرما کر اسلامی برادری اور اخوت کی بہترین مثال قائم فرمائیں۔ ان میں سینکڑوں بچے ایسے ہیں جن کی تعلیم کا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ اور کچھ لڑکیاں ایسی ہیں جو بالغ ہو چکی ہیں جن کی شادیوں کا معاملہ بھی بجائے خود ایک مسئلہ بن چکا ہے اگر اس مسئلہ میں مزید لیت و لعل سے کام لیا گیا تو ایک طرف تو ان بچوں کا اہم ترین تعلیمی وقت ضائع ہو جائے گا اور دوسری طرف بالغ لڑکیوں کے غیر مسلم مردوں کے ساتھ ضائع ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔

عالم اسلام کو چاہیئے کہ غیر مسلم ممالک میں مسلمان اقلیتوں کا تحفظ کیا جائے۔ ورنہ اسلام دشمن عناصر تو تمام حربے اسلام کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ اور دن رات ان کی یہی کوشش ہے کہ اسلام اور مسلمان کسی نہ کسی طریقہ سے صفحہ ہستی سے مٹ جائیں۔

آج دنیا بھر کے اخباروں اور رسالوں میں مسلمانوں کے خلاف جو پروپیگنڈہ ہو رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس پر سنجیدہ ایکشن لینا چاہیئے۔ اور اسلامی ممالک کے تمام نشریاتی ادارے اور ذرائع ابلاغ کو اسلام کے نشر و اشاعت میں استعمال کرنا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں تھائی لینڈ کے مسلمانوں نے تھائی لینڈ میں اپنی کچھ تنظیمیں بنائی ہیں جن میں دو تنظیمیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ اخوان المسلمین آف تھائی لینڈ۔ ۲۔ انجمن اسلام۔ جو کہ ملک کے طول و عرض میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ

جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اور اب تک انہوں نے مختلف اسلامی تصانیف کا تھائی زبان میں ترجمے بھی شائع کئے ہیں۔ جن میں مولانا عبدالماجد دریابادی کے مترجم قرآن کریم کا انگریزی سے تھائی زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور بخاری ومسلم شریف کے ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ تفسیر خازن کا ترجمہ جاری ہے۔

علاوہ ازیں علامہ اقبال کی تصانیف کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اور سید جمال الدین افغانی کی سوانح حیات بھی شائع ہو چکی ہے۔

حال ہی میں جناب خمینی کی سیاسی سرگرمیوں کی ایک جھلک بھی منظر عام پر آ چکی ہے۔ اسی طرح آہستہ آہستہ تھائی لینڈ کے مسلمانوں میں بیداری کی روح پھونکی جا رہی ہے۔

کئی اسلامی ماہنامے، ہفت روزہ جریدے اور روزنامہ اخبارات بھی جاری ہو چکے ہیں جن میں ماہنامہ الجہاد، ماہنامہ الرابطہ، ہفت روزہ الاحباب، ہفت روزہ تقویٰ اور ہفت روز چاند منگ شامل ہیں۔ ان میں گرد و نواح کے مسلمانوں کا حال اور دیگر اسلامی مضامین بھی شائع ہو رہے ہیں۔

اس کے علاوہ سید سلیمان ندوی اور ابوالحسن علی ندوی۔ شیخ احمد نورسی۔ شیخ حسن البنّاؒ وغیرہ کی تصانیف کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

ایک طرف تھائی لینڈ میں تبلیغ کا کام سرگرم عمل ہے تو دوسری طرف تھائی لینڈ میں تحریک آزادی اپنی مدد آپ کے اصول پر زور پکڑتی جا رہی ہے۔ یہ تحریک جنوبی تھائی لینڈ کے ضلع پتانی سے اٹھی ہے جو ۱۹۰۲ء تک مسلمانوں کی ریاست تھی۔ جسے بعد میں انگریزوں کی مکاری سے تھائی لینڈ میں مدغم کر دیا گیا۔ اور آج کل پھر ان لوگوں میں بیداری پیدا ہو چکی ہے۔ اور اپنی آزادی کے لئے گوریلا جنگ کے اصول پر جان پر کھیل رہے ہیں۔ جو ایک نہ ایک دن انشاء اللہ بار آور ثابت ہوگا۔ ع

جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

اسلامی مدارس و مساجد | تھائی لینڈ میں کئی اسلامی مدارس بھی عرصہ دراز سے کام کر رہے ہیں۔ ان میں ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ اور عربی پڑھانے پر خاص زور دیا جا رہا ہے۔ اکثر مسلمان طلباء عربی جانتے ہیں ان مدارس سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ اور مصر طلباء مزید علم کے لئے مدرسہ کے فنڈ سے بھیجے جاتے ہیں۔ اکثر مسلمانوں کا مسلک امام شافعی سے متعلق ہے۔ فتوے بھی اسی مسلک پر دئے جاتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے مسلمانوں کا ایک مفتی بھی مقرر ہے جن کا نام مفتی محمد یحییٰ ہے۔ حکومت میں اس کو مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت حاصل ہے مگر مسلمانوں کی اکثریت مفتی محمد یحییٰ کے خلاف ہے۔ ان کے متعلق مسلمانوں میں قسم قسم کی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں ان کو حکومت کی طرف سے کچھ اختیارات بھی دئے گئے ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کے اوقاف اور مذہبی امور کے متعلق اختیارات

ان کے پاس ہیں۔

مسلمانوں کی اکثریت جنوبی تھائی لینڈ میں ہے ضلع ندرتی واٹ (NARATEE WAT) ضلع ستون (SATOON) ضلع یلا (YALA) ضلع پتانی (PTANEE) پچاسی فیصد مسلمان ہیں۔

جوں جوں شمال کی طرف جائیں مسلمانوں کی اکثریت کم ہوتی جاتی ہے۔ وسطی تھائی لینڈ یعنی بنکاک (BANGKOK) میں بھی مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی ہے۔ بنکاک کے گردونواح میں ۱۳۰ مساجد ہیں۔ پورے تھائی لینڈ میں مسلمانوں کی کل آبادی ۷۵ لاکھ ہے جو پوری آبادی کا ۱۶ فیصد سے کچھ زیادہ ہے۔ ۴۰ ہزار کے قریب چینی مسلمان بھی آباد ہیں۔ جن کی اکثریت شمالی تھائی لینڈ میں ہے۔ مسلک کے لحاظ سے حنفی ہیں۔ پورے تھائی لینڈ میں ۲۰۹۵ رجسٹر شدہ مساجد ہیں۔ ہر مسجد کے پیش امام کا کرایہ حکومت کی طرف سے ریل گاڑیوں۔ بسوں اور اندرون ملک کی ہوائی سروس میں نصف مقرر کیا گیا ہے۔

مسلمانوں سے زیادتی | اگرچہ جزوی طور پر مسلمانوں کو چند ایک مراعات حاصل ہیں مگر دوسری طرف مسلمانوں سے کچھ زیادتیاں بھی کی جا رہی ہیں۔ حتیٰ کہ اسلامی نام رکھنے پر حکومت خوش نہیں ہوتی۔ اور غیر مسلم نام رکھنے پر مسلمانوں کو آمادہ کیا جا رہا ہے۔ یہ بالکل وہی پالیسی ہے جو برطانوی سامراج نے ملائشیا میں اختیار کی تھی۔

ملازمت کے واسطے مسلمانوں کو غیر مسلم نام رکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ تاکہ ملازمین کی لسٹ میں عیسائی ظاہر کیا جائے۔ اور جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں مسلمانوں کو بے دخل کیا جا رہا ہے اور دوسرے علاقوں میں تبدیل کرانے کے منصوبے جاری ہیں۔

اسی طرح کئی بستیاں جنوبی تھائی لینڈ سے دوسرے علاقوں میں تبدیل کی گئی ہیں۔ ان بستیوں کا نام خود کفیل بستیاں رکھا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ قبل کئی مسلمان لیڈروں کو سزائے موت بھی دی جا چکی ہے اور کئی سیاسی قیدی تاحال اسیر ہیں۔ مسلمان لیڈروں کو اکثر خفیہ سزائے موت دی جاتی ہے جس کی خبر سالہا سال بعد احباب تک پہنچتی ہے۔ بادشاہی نظام رائج ہے۔ بادشاہ کے یوم پیدائش پر خصوصی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ اگر جنوبی تھائی لینڈ کے مسلمانوں کے اکثریتی علاقہ میں کسی مسلمان نے یوم پیدائش پر سرکاری جھنڈا نہ لہرایا تو مالک مکان کو باغی قرار دے کر اسے گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ یا پھر کسی دوسرے موقعہ پر اس کی گرفتاری کا بہانہ بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح بادشاہ کے دورہ پر اگر کوئی مسلمان استقبال کے لئے نہ آیا تو اسے بھی حکومت کے نوٹس میں لایا جاتا ہے۔

نیز اگر مسلمانوں کے اکثریتی علاقہ میں کہیں ڈاکہ یا رہزنی کی واردات ہوئی تو اسے بھی بلا تحقیق مسلمانوں کے سر تھوپ دیا جاتا ہے۔ قتل و غارت گری۔ زنا بالجبر۔ ڈاکہ۔ رہزنی تو بالکل روزانہ کا معمول بن چکا ہے۔ تقریباً ہر شہری کا مال و دولت اور جان بالکل غیر محفوظ ہے اور دن دہاڑے بڑے بڑے بازاروں میں ڈاکے پڑ رہے ہیں۔

مسلمانوں پر تمام ممتاز عہدے بند ہیں حتیٰ کہ مسلمانوں سے قربانی کرنے والے بیل بھینس پر بھی چالیس باٹ (بیس روپے) کا سرکاری ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ البتہ حج پر جانے کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ اور نہ اس کے لئے کوئی کوٹہ مقرر ہے بالکل آزادی سے ہر آدمی بار بار جا سکتا ہے۔

تھائی لینڈ کے باشندے پاکستانی عوام کو انتہائی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انتہائی خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔ آج سے ایک ماہ پہلے تھائی لینڈ کے اسلحہ کا ایک کارخانہ تباہ ہوگیا جس میں راکٹ توپ، چھوٹے ٹینک اور دیگر چھوٹا اسلحہ تیار ہوتا تھا۔ صبح ۱۰ بجے اس میں بم کا دھماکہ ہوا۔ اور ۲ جریب میں آباد بلڈنگیں پھٹ کر ملبہ کا ڈھیر بن گئیں۔ جس سے چار سو فوجی ہلاک اور سینکڑوں عوام بھی ہلاک ہوئے۔ ہلاک ہونے والے فوجیوں میں چالیس اعلیٰ فوجی افسر بھی شامل تھے۔

حکومت کے بعض ذرائع ویت نامی کیمونسٹوں کو دھماکے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ اور بعض ذرائع جنوبی تھائی لینڈ کے مسلمانوں کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بہرحال حکومت کی طرف سے ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا کہ یہ دھماکہ کیسے ہوا۔ ایک اندازہ کے مطابق ۳ - ارب باٹ یعنی ڈیڑھ ارب ... ان ہوا ہے ...

مولانا محمد علی سواتی

چند اور تعزیتی پیغامات

○ حضرت مرحوم کے لئے ایصال ثواب کیا گیا ان کی شفقتیں یاد آتی ہیں۔ دل روتا ہے۔ اب تو مرحوم کی جگہ خالی دیکھ کر بہت ہی صدمہ ہوا۔ میرا اعتقاد ہے کہ حضرت اقدس مدظلہ سے لے کر دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ سمیت سب اولیاء اللہ ہیں۔ بڑے حضرت سمیت اللہ تعالیٰ دارالعلوم کے شموس ہدایت کو زندہ و تابندہ رکھے۔

(مولانا عزیز الرحمان فاضل حقانیہ۔ جامع مسجد صدیق اکبر چوہڑ۔ راولپنڈی)

✲ حضرت استاذ کے وصال کا سن کر دارالعلوم عربیہ خضریہ میں ختم قرآن کریم ایصال ثواب کیا گیا۔ اللہ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ (مولانا جلال الدین حقانی۔ مہتمم مدرسہ عربیہ خضریہ۔ بھیرہ)

✲ ریڈیو سے استاد الکل کے حادثہ فاجعہ کا سنا۔ جتنا رویا جائے تو کم ہے۔ ایصال ثواب اور تعزیتی اجتماع منعقد ہوا۔ (محمد خلیل اللہ حقانی۔ روپ کنٹی بٹ گرام)

✲ افسوس کہ مولانا کے انتقال سے پاکستان کی بزم علم و عمل کی ایک اور شمع فروزاں گل ہو گئی۔ مولانا کی کمی صرف دارالعلوم کے لئے نہیں بلکہ تمام اہلسنت والجماعت کے لئے صدمہ ہے۔ (قاری محمد انور حسین تحریک خدام اہلسنت آزاد کشمیر)

✲ میرے شفیق استاد کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس عطا فرمائے۔ انتہائی قابل اور شفیق استاد اخلاق فاضلہ کے مالک تھے۔ ناچیز نے جامعہ عثمانیہ کے نام سے مدرسہ قائم کیا ہے۔ چار اساتذہ مصروف ہیں اس مسجد کا بھی خطیب ہوں۔ (مولانا خلیل الرحمان فاضل حقانیہ۔ جامع عثمانیہ اے بلاک ماڈل ٹاؤن۔ لاہور)

✲ ابھی مفتی صاحب مرحوم کا غم تازہ تھا کہ مولانا محمد علی کی وفات کی خبر نے غم میں اضافہ کر دیا۔ انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ۔ اللہ تعالیٰ دارالعلوم حقانیہ کا حامی و ناصر ہو۔ (گل شیر حقانی ہائی سکول جرود خیبر ایجنسی)

✲

آنحضرت کی شاگردی سے بہرہ مند ہے قیام دارالعلوم کے پرکیف لمحات میں درس ہدایہ کے دوران ملا۔ اخوند اور غاسل کے وہ ظریفانہ خطابات کانوں میں گونجتے ہیں جن سے وہ طلبہ کی سمع نوازی کرتے تھے اور ہدایہ

جیسی کتاب کی خشکی اور گرانباری کو نشاط انگیز بنا دیا کرتے تھے۔ اللہ کی کروڑوں رحمتیں ہوں ان پر اور ان کی اولاد و تلامذہ پر۔ دوسرے ہزاروں شاگردوں کی طرح بندہ بھی ان کی موت پر غم گسار ہے۔

مولانا الطاف الرحمان خطیب جامع مسجد ٹھوکر نیاز بیگ ملتان روڈ۔ لاہور

✲ بہترین عالم اور استاد الکل کی وفات پر دل غمگین ہے۔ ہمارے ہاں کئی اساتذہ ان کے تلامذہ اور فضلاء حقانیہ ہیں

قاری حافظ سعید احمد مدرس دارالعلوم اسلامیہ شیر گڑھ

✲ مولانا کے درس میں عجیب و غریب دلکشی ہوتی تھی۔ ہدایہ آخرین۔ طحاوی و جامی کے متعلق مقامات ایسے سلیس اور عام فہم انداز میں ذہن میں بٹھاتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ ان کی وفات پر ہم تمام حقانی فضلاء و معاونین غمگین و حزین ہیں۔ محمد ادریس حقانی ایم اے مدرس دارالعلوم شیر گڑھ۔ مردان

✲ مولانا نور اللہ مرقدہ کی وفات پر رنج ہوا۔ اس دور قحط الرجال میں بڑے بڑے علماء کا چلے جانا قرب قیامت کی نشانی ہے۔ بار بار ہم سب نے ان کی مغفرت و رفع درجات کی دعائیں کیں۔ دارالعلوم کے تمام متعلقین کے ساتھ اس صدمہ میں برابر کا شریک ہے۔ بارگاہ رسالت مآب علیہ السلام میں دعاگو رہتا ہوں کہ حق تعالیٰ دارالعلوم حقانیہ کو علوم نبویہ کا عظیم قلعہ بنا دے۔ مولانا شیر علی شاہ حقانی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

✲ دارالعلوم ایک مجسمہ اخلاق۔ نمونہ اسلاف۔ پیکر صدق و وفا اور حد درجہ متواضع و خوش مزاج عالم دین سے محروم ہوگیا۔ ہم طلبہ سے دوران اسباق حد درجہ شفقت رکھتے تھے۔ مگر امتحانات میں کسی قسم کی رواداری کے قائل نہ تھے۔ حضرت کی وفات پر حضرت الشیخ عبدالحق مدظلہ نے جو کچھ فرمایا واقعی دل دردمند کی آواز ہے نیز حضرت مفتی محمود صاحب مرحوم کی وفات پر آپ کے تعزیتی کلمات نے بھی مجروح دلوں کے لئے مرہم کا کام دیا ہے۔ مولانا فضل اللہ جان حقانی لاہور تحصیل صوابی۔

✲ ہم سب کو یہاں سے جانا ہے۔ مگر ایسے حضرات کا جانا دین و دنیا کا نقصان ہے۔ جب معلوم ہوا تو آنکھوں پر اندھیرا چھا گیا۔ مولانا محمد فاروق حقانی۔ غوریوالہ ضلع بنوں
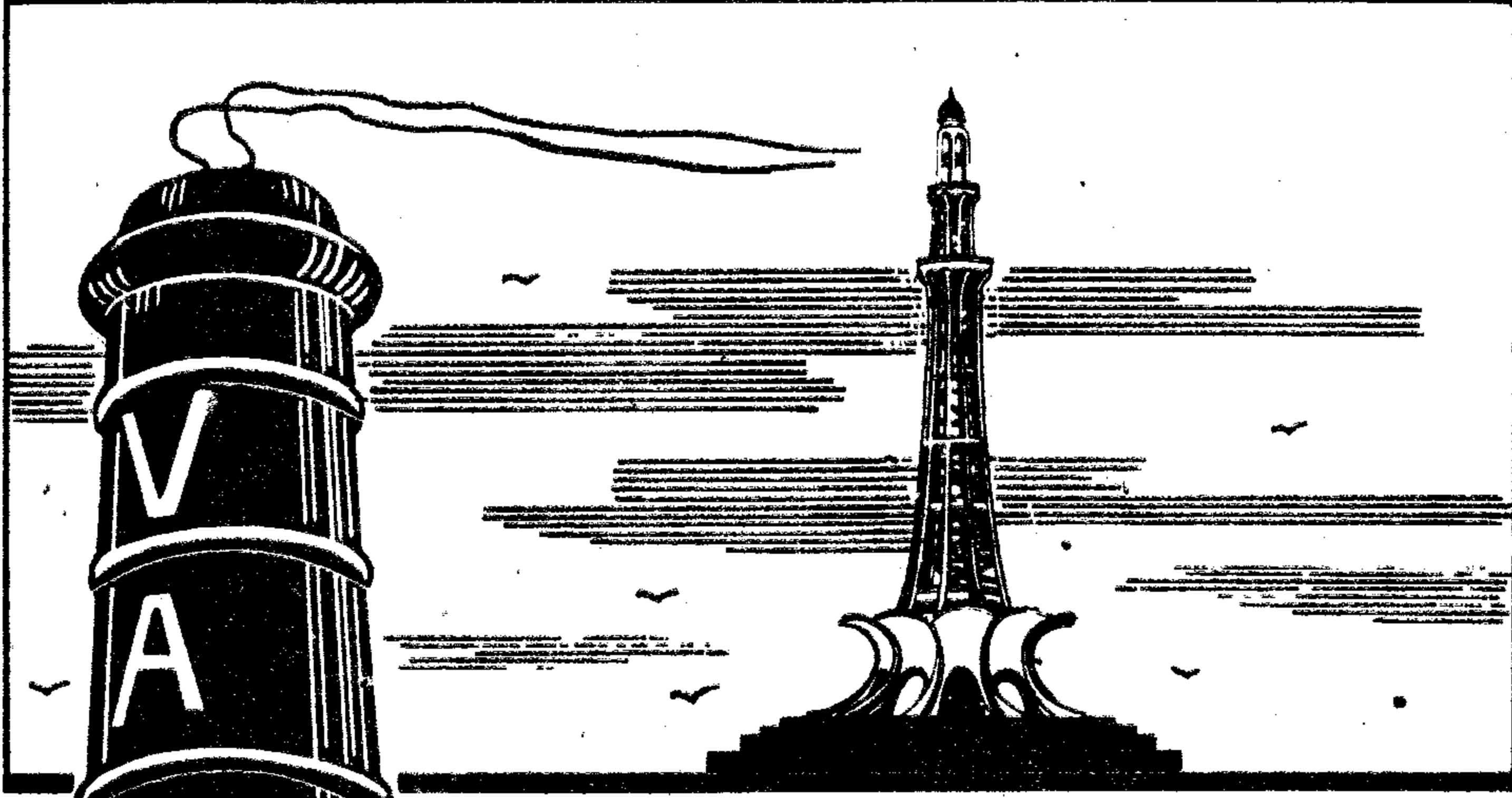
VALIKA
ولیکا
پاکستان کے صنعتی نقشہ میں
اُبھرنے والا سب سے پہلا نام
پاکستان کے صنعتی میدان میں سب سے
پہلے پروجیکٹ کی بنیاد رکھنے کا اعزاز ولیکا کو
حاصل ہے۔ مُلک میں عظیم صنعتوں کے
قیام کے لئے ولیکا کی نمایاں کاوشیں،
قومی معیشت کی ترقی سے وابستہ اداروں کے لئے ہمیشہ
تقویت کا باعث رہی ہیں —
VALIKA
ولیکا وولن ملز
کمپنی لمیٹڈ
ORIENT

چار سال کا بچّہ جس نے اپنے باپ کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا

جس طرح سائنس اور ٹکنالوجی کی اکثر ایجاد و اختراع انسانوں کو حیرت زدہ کر دیتی ہیں اسی طرح کبھی کبھی روحانی قوتوں کے کرشمے بھی عقلِ انسانی کو حیران کر دیتے ہیں۔ اور انسان کو اس ترقی یافتہ مادی دور میں بھی روحانیت کی طاقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ روحانی طاقت کا ایک ایسا ہی کرشمہ حال ہی میں افریقہ کے ایک ملک زمبیا میں رونما ہوا ہے۔ اس ملک سے انگریزی میں شائع ہونے والے اخبار ٹائمز آف زمبیا نے اپنی ۱۱ ستمبر ۱۹۸۰ء کی اشاعت میں روحانی طاقت کے اس حیرت انگیز واقعہ کی تفصیلات شائع کی ہیں۔

اس اخبار کی اطلاع کے مطابق زمبیا کے ایک پچاس سالہ کٹر عیسائی ڈیوڈ کبی لمبیلو نے اپنے ۴ سالہ بچے کی روحانی تبلیغ و ترغیب پر اسلام قبول کیا۔ اس اخبار کے مطابق ڈیوڈ لمبیلو کا بیان ہے کہ اس کا لڑکا سمانانہ کبی لمبیلو جو اس علاقے میں "عمر" کے نام سے مشہور ہے اور جس کی عمر اس وقت چار سال ہے، جب وہ ۱۸ ماہ کا تھا۔ اسوقت جب ہم لوگ گرجا گھر (چرچ) جاتے وہ چیختا چلاتا اور روتا تھا۔ یہ بچہ جب چلنے اور بولنے کے قابل ہوا تو اس نے ہمیں بتایا کہ اس کا ایک علیحدہ چرچ ہے۔ جس کے لئے اس بچہ نے "اذامو" کا لفظ استعمال کیا۔ چونکہ یہ لفظ ہمارے لئے اجنبی تھا اس لئے ہم نے بعض عالموں سے رجوع کیا اور انہوں نے بتایا کہ یہ لفظ مسجد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پھر جب ہم اس بچے کو لیکر کابوشی میں مسجد کے قریب سے گذر رہے تھے۔ اس وقت بچے نے مسجد کیطرف اشارہ کرتے ہوئے مسرت سے چیخ کر کہا کہ یہ ہے میرا چرچ۔ اس کے بعد یہ بچّہ روزانہ صبح ۵ بجے مجھے جگاتا اور ساتھ لے کر ۲ کیلومیٹر کا راستہ طے کر کے کابوشی مسجد پہنچتا اور وہاں نماز پڑھتا تھا۔ یہ بچّہ پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا اور روحانی طاقت کے اس کرشمے سے متاثر ہو کر میں بھی مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

ڈیوڈ لمبیلو کا کہنا ہے کہ جب انہوں نے یہ واقعات زمبیا ایسوسی ایشن آف اسلام کے سیکرٹری شیخ عبدالحمید بوالعدیٰ کو بتایا تو انہوں نے کہا کہ خدا ایسی روحانی طاقتوں کے ذریعہ اپنے بندوں کو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے۔

بہرصورت یہ روحانی طاقت کے سوا اور کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ ۱۸ ماہ کا بچّہ رو کر اور شور مچا کر دینی رجحان کا اظہار کر سکے اور چار سال کی عمر میں اس نے اپنے ماں باپ کے دین سے ہٹ کر اپنا معبدہ پہچانا اور اپنا دین تلاش کر لیا۔

افکار و تاثرات

- خلفائے راشدین اور نظام اسلام
- برطانیہ ذلت کے غاروں میں
- قادیانیوں کی کافرگری
- ٹیلی ویژن اور قول رسولؐ
- ذکری فرقہ
- چکوال کا شرمناک واقعہ

خلفائے راشدین کا قائم کردہ نظام ہی اسلامی نظام ہے

"اسلامی نظام" کا قیام پاکستان بنانے کا اصل مقصد ہے۔ لیکن ابھی تک یہ مقصد نہیں حاصل ہو سکا۔ حالاں کہ جمہور مسلمین جن کی آبادی پچانوے فیصد ہے ہمیشہ اس کے مشتاق رہے۔ اس ناکامی اور محرومی کا اصل سبب یہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد ملک کے نظم و نسق پر ایسے لوگ حاوی ہو گئے جو "اسلامی نظام" اور اس کے اصول کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ جناب ضیاء الحق صاحب کے برسر اقتدار آنے کے بعد "اسلامی نظام" کے اعلانات بکثرت ہونے لگے۔ اور بظاہر اس سلسلہ میں کچھ پیش رفت بھی ہوئی۔ مگر منزل مقصود ابھی تک دور اور صحیح راستہ مستور ہے — "پاکستان" کے سواد اعظم کے لئے یہ مسئلہ سخت بے چینی اور اضطراب کا باعث ہے۔ کہ قیام "نظام اسلامی" میں جو چیز پہلے سنگ راہ بنی ہوئی تھی وہ آج بھی موجود ہے۔ آج بھی ملک کے نظم و نسق پر وہی لوگ چھائے ہوئے ہیں جو صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرات خلفائے راشدین رضوان علیہم اجمعین کے دشمن ہیں۔ سواد اعظم یعنی اہلسنت کے نزدیک خلفائے راشدین کا قائم کردہ نظام ہی اسلامی نظام اور کتاب و سنّت کی عملی تفسیر ہے۔ اس نمونہ کی پیروی اور مطابقت کے بغیر کسی اسلامی نظام کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ مگر ہمارے اس بنیادی عقیدے کے برعکس مذکورہ بالا افراد نظام خلافت راشدہ کو باطل سمجھتے ہیں۔ اور اس کے شدید مخالف بلکہ دشمن ہیں۔ جس مینارۂ نور کو ہم سنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں وہ ان کے نزدیک معاذ اللہ بالکل غیر معتبر ہے۔ بلکہ درحقیقت قرآن مجید پر بھی ان کا ایمان نہیں ہے کیا ایسے لوگ "اسلامی نظام" قائم کریں گے؟ جسے "ہم اسلامی نظام" کہتے ہیں وہ ان کے نزدیک غیر اسلامی ہے تو کیا وہ اس کی راہ میں رکاوٹیں نہ ڈالیں گے؟ تجربہ اور مشاہدہ بھی بتاتا ہے کہ وہ حسب سابق اب بھی ان کے راستہ میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔ پھر ان سے یہ توقع رکھنا کہ یہ اب رکاوٹ نہ ڈالیں گے۔ انتہائی سادہ لوحی اور خود فریبی ہے۔ مخالفین صحابہؓ گروہ کی تعداد ملک میں دو فیصد سے بھی کم ہے مگر وہ ہر اہم محکمہ میں اہم مناصب پر

اور تنے تناسب آبادی سے بہت زیادہ اسامیوں پر قابض ہیں۔ پچانوے فیصد اہلسنت کی یہ حق تلفی بجائے خود بہت زیادہ افسوس اور باعث اضطراب ہے۔ چہ جائے کہ ایسے مرحلہ پر جب کہ ہم "اسلامی نظام" کی منزل کی طرف گامزن ہو رہے ہوں۔ اگر "اسلامی نظام" قائم کرنے کا نعرہ واقعی اخلاص پر مبنی ہے تو اولین قدم یہ ہونا چاہئے کہ تمام محکموں کے اہم عہدوں سے مخالفین صحابہؓ و منکرین ختم نبوت کو برطرف کرکے اس کی جگہ باحمیت اہلسنت کو مقرر کیا جاتے۔ یہ ملک کی ۹۵ فیصد اکثریت یعنی اہلسنت کا مطالبہ اور ان کے دل کی آواز ہے۔ اس سے غفلت یا بے اعتنائی برتنا کوئی اچھا نتیجہ نہیں پیدا کرسکتا۔ مولانا محمد اسحاق صدیقی جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

"برطانیہ عظمیٰ" ذلت و حیوانیت کی اتھاہ گہرائی میں | یہ خط ایک اہم مسئلہ پر لکھ رہا ہوں۔ برطانیہ کے حالات کے بارے میں تو اکثر لکھتا رہتا ہوں۔ لیکن اس دفعہ اس کا ثبوت بھی بھیج رہا ہوں۔ یہ ملت اخبار کی کٹنگ ہے۔ یہ خبریں جنگ لندن میں بھی آئی ہیں جو دائیں بازو کا اخبار ہے۔ ان تراشوں میں وہ شامل نہیں ہیں جو یہاں حاملہ عورتوں پر حملے۔ بچوں کو مارنا۔ گھروں کے شیشے توڑنے۔ لیٹر بکس میں اور گھروں میں گندی چیزیں پھینکنا۔

اب لوگ شام ڈھلے گھومنے نہیں نکل سکتے۔ چند روز قبل لندن میں بہت بڑی خبر تھی کہ شر پسندوں نے یہاں ایک علاقے ہائی ویکمب میں مسجد کے اندر سوروں کے سر پھینک دیئے جس سے تمام مسلمانوں میں سخت غصہ پایا جاتا ہے اور یہ باتیں تو عام ہوگئی ہیں۔ پولیس بھی ہم لوگوں سے اب نفرت کرتی ہے بس مجبور و لاچاروں جیسی زندگی ہے

اب کل شام کو 1- BBC پر ۸:۴۷ ۳۰۷ پروگرام میں اسی برٹش موومنٹ کا پورا پروگرام دکھایا گیا۔ اور یہ گورنمنٹ کی طرف سے پروپیگنڈے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اور برٹش موومنٹ کی مشہوری بھی ہوگئی اور پیسہ بھی ایک نہ لگا۔ اور لوگوں میں خوف و ہراس علیحدہ۔

یہ برٹش موومنٹ نازی طرز کی پارٹی ہے۔ نوجوانوں کو بھرتی کرکے انہیں خفیہ جگہوں پر لے جاکر باقاعدہ برٹش آرمی والے اور سابقہ فوجی انہیں ٹریننگ دیتے ہیں۔ پھر انہیں گلیوں میں خون خرابے کے لئے چھوڑا جاتا ہے ایک رکن نے جس نے منہ دوسری طرف کیا ہوا تھا ساری کہانی بتائی۔ کہ کس طرح ہم رنگ دار لوگوں کو مارتے ہیں حتیٰ کہ ہتھوڑے کا استعمال بھی کیا جاتا ہے۔ اور اس کا کہنا ہے کہ ہم کوشش کرتے ہیں کہ بازو اور ٹانگ وغیرہ توڑ دی جائے اور قتل وغیرہ سے بھی نہیں چوکتے۔ اور برٹش موومنٹ کے مطابق ان کا جال پورے یورپ میں طرح طرح کے ناموں سے پھیلا ہوا ہے۔ کل ٹی وی پر ان کے لیڈر نے جو برطانیہ کے لئے ہے کہا ہے کہ رنگ دار لوگ ہمارے کہنے پر عمل کریں، اور تمام برٹش لوگ ہمارا ساتھ دیں ورنہ یہ نہ ہو کہ بعد میں افسوس کرو۔ کیونکہ ہم پھر آئندہ لوگوں کے گھروں کے دروازے تک پہنچے ہوئے ہوں گے۔

اندازہ ہے کہ یہاں سال دو سال کے اندر بہت خون خرابہ ہوگا۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کی طرح۔ (منیر احمد لندن)

کافر گر، قادیانیوں کا مشغلہ | اس بار الحق میں جناب نسیم سیفی صاحب (ایڈیٹر تحریک جدید، ربوہ) کا مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے مولانا ضیاء القاسمی کے مکتوب پر حاشیہ آرائی کی ہے یہ حاشیہ آرائی ما لا یرضیٰ بہ القائل کا حقیقی مصداق ہے۔

یہ مولانا ضیاء القاسمی کا فرض ہے کہ وہ اپنے "مخصوص انداز" میں موصوف کو جواب تحریر فرما دیں۔ تاہم الحق کے ایک قاری ہونے کی حیثیت سے جناب نسیم سیفی کی خدمت میں عرض ہے کہ :-

مولانا صاحب کو اس بات کی قطعاً ضرورت نہیں کہ وہ احمدی حضرات کو کافر بنائیں۔ آخر بنے بنائے کافر کو کافر بنانے سے کیا حاصل ؟ یہ مشغلہ تو حضرات احمدی ہی کا ہے کہ مسلمانوں کو کافر (احمدی) بناتے ہیں۔

نیز یہ عرض ہے کہ آپ کو قومی اسمبلی کے فیصلہ کو چیلنج کرنا چاہئے وہ تو کسی مولوی کا فیصلہ نہیں۔

مولانا ضیاء القاسمی صاحب کے اس مکتوب کا حوالہ سے جو کچھ بھی فرمائیں، فرما سکتے ہیں۔ مگر تاجدار مدینہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام کی ختم نبوت سے انکار سے تو مسلمان ہوتے ہوئے بھی آدمی مسلمان نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ احمدی ہو کر۔

محمد ادریس ہوشیارپوری۔ خطیب مسجد غفوریہ حسن پروانہ کالونی۔ ملتان

اسلامی معاشرہ اور قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق | پاکستان ٹیلی ویژن عالم اسلام میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ پاکستان میں ایک بھی ایسا عالم باعمل نہیں ہے جو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عامل ہو اور قول رسول ٹیلی ویژن پر پیش کر سکے۔ ٹیلی ویژن پر قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے کے لئے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا گیا ہے جس سے قول رسول سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ اور یہ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے قطعاً مخالف ہیں۔ مونچھیں بڑھی ہوئیں اور داڑھی مونڈی ہوئی۔ اور سر پر امریکی ہپی کی طرح بال۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس قوم کی تشبیہہ اختیار کرو گے روز حساب اسی قوم سے اٹھائے جاؤ گے۔ لیکن ٹیلی ویژن پر قول رسول پیش کرنے والے گلے میں نصاریٰ کی غلامی کا طوق بشکل نکٹائی پڑا ہوتا ہے ٹیلی ویژن کے کرتا دھرتا نے کس ڈھٹائی سے اسوۂ رسولؐ کے مخالف کو ٹیلی ویژن پر قول رسول پیش کرنے کے لئے منتخب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "وہ بات کیوں کرتے ہو جس پر تمہارا عمل نہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ بات بہت بری ہے کہ جو بات تم کہو اس پر تمہارا عمل نہ ہو"

معاشرے کو اسلامی بنانے کے لئے مخلصانہ کوشش کر رہی ہے لیکن ساتھ ہی ٹی وی نے قوم کی

نئی نسل کو ایک گویئے سہیل رعنا کے حوالے کر رکھا ہے۔ جو لڑکوں اور لڑکیوں کو گانا سکھاتا ہے۔ جو بچے اور بچیاں طبلے کی تھاپ پر اور ہارمونیم کی تان پر تالیاں بجا بجا کر گائیں گی۔ اس نئی نسل سے اسلامی معاشرہ تو تشکیل نہیں پا سکتا البتہ گلوکار اور گلوکارائیں۔ فلم ایکٹر اور فلم ایکٹریسیں وجود میں آئیں گی۔ تو یہ کس قسم کا اسلامی معاشرہ ہوگا۔

مولانا عبدالحق صدر نظام العلماء ضلع حیدرآباد

ذکریوں کی سرگرمیاں | ہم ذکریوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ مگر ذکری دولت کے بل بوتے پر سخت مزاحم ہو رہے ہیں۔ بلوچستان کی تنظیم اصلاح المسلمین کی تحریک کو کچلنے کے لئے ۱۲ لاکھ روپے خرچ کئے۔ ذکریوں کے خلاف ایک کیس کی نقل حاصل کرنے ہمارے ساتھی وہاں پہنچے تو اس کلرک کو پچیس ہزار روپے دئے گئے۔ کہ وہ نقل نہ دی جائے۔ مگر الحمدللہ کہ ہم لوگ نقل حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ الحق کے ڈاکٹر ضیاء الحق صدیقی صاحب نے ذکریوں کی نفلی عبادت" چوگان" کے ۳۵ بول معلوم کئے۔ حالاں کہ میرے پاس تقریباً اسی بول لکھے ہوئے ہیں۔ جیسے میں نے نو مسلم ذکریوں سے حاصل کئے ہیں جن کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ بہت سے حضرات نے ڈاکٹر ضیاء الحق صدیقی کا پتہ دریافت کیا ہے۔ افسوس کہ دفتر الحق میں کہیں اوجھل ہو گیا ازراہ کرم ڈاکٹر صاحب مدیر الحق سے مراسلت فرمائیں۔

عبدالمجید قیصر قندی۔ کراچی

حادثہ چکوال۔ نہایت افسوسناک | افسوس کہ ۱۰ صفر ۱۴۰۱ھ کو شیعہ حضرات کے چہلم کے جلوس گزارنے کے موقع پر مولانا قاضی مظہر حسین صاحب اور ان کے رفقاء علماء اہلسنت اور طلبہ دینیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ مسجد مدنی میں جمعہ و اذان تک نہیں ہو سکی۔ امام و مؤذن گرفتار کر لیے گئے۔ مسجد پر پولیس کی ناکہ بندی رہی۔ شیعہ جلوس پہلے سے زیادہ بھانگڑے ڈالتا گزرا۔ یہ تمام کارروائی مقامی اور ضلعی انتظامیہ نے کی۔

مولانا عبداللطیف۔ جامعہ حنفیہ۔ مدنی مسجد جہلم

برطانیہ کے چار شہید علماء | شہید مرحوم مولانا علی ابراہیم سمنتی جو الحق کے دیرینہ قاری اور آپ کے مداح تھے۔ اپنے چار جید علماء کے ساتھ جو دارالعلوم اسلامیہ ہولکمب بری برطانیہ میں پڑھاتے تھے ایک کار میں جو بلیک برن سے ان اساتذہ کو لانے لے جانے کے لئے متعین تھی ایک حادثہ کا شکار ہو گئی۔ اور یہ سب حضرات علماء شہید ہو گئے۔ مولانا ابراہیم دیسائی۔ مولانا یعقوب دیسائی۔ مولانا علی ابراہیم۔ مولانا عمر آدم دہلوی اور ڈرائیور جناب عبدالرشید صاحب یہ نہ صرف دارالعلوم بلکہ جمیع مسلمانان برطانیہ کے لئے جانکاہ حادثہ ہے۔ ان کے نام رسالہ الحق جو جاری ہے بند کر دیں۔ راہ حق میں شہید ہونے والوں کے لئے دعا کیجئے

اسماعیل حافظ علی۔ بولٹن۔ برطانیہ

الحق اس المناک حادثہ کی تفصیلات اور ذرائع معلوم ہوئے ظلمتکدہ یورپ میں ایسے علماء حق کا وجود تو اور بھی نہایت قیمتی اور مینارۂ نور تھا۔ حق تعالیٰ ان شہداء راہ دعوت وعلم کو درجات عالیہ سے نوازے اور تمام مسلمانوں اور مدرسہ مذکورہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ "الحق"

ادارہ

دارالعلوم کے شب و روز

حضرت مولانا اسعد مدنی کی آمد | ر جنوری جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد اسعد مدنی صدر جمعیۃ العلماء ہند، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے ایشیائی اجلاس منعقدہ اسلام آباد میں شمولیت کے لئے مختصر دورے پر پاکستان تشریف لائے۔ اس بار بھی انہوں نے کثیر مشاغل سے وقت نکال کر صوبہ سرحد کا دورہ اپنے محبوب بزرگ بقیۃ السلف مولانا عزیز گل مدظلہ اسیر مالٹا اور اپنے استاذ حضرت مولانا عبدالحق مدظلہ کی زیارت کے لئے دارالعلوم میں قدم رنجہ فرمایا۔ یہاں پہلے سے حضرت مولانا اسعد مدنی نے رات گذارنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ دارالعلوم کے اساتذہ اور طلباء نے والہانہ استقبال کیا۔

مولانا سمیع الحق صاحب پہلے سے سفر پر تھے۔ دارالعلوم کی طرف سے مولانا انوار الحق صاحب، مولانا سلطان محمود صاحب ناظم دارالعلوم کے ایک خادم خاص جناب ممتاز خان صاحب انہیں لینے پشاور کے ہوائی اڈہ اور پھر مولانا عزیز گل مدظلہ کے گاؤں سخاکوٹ میں موجود تھے۔ اور آخر تک ساتھ رہے۔ اکوڑہ خٹک آمد سے قبل راستہ میں انہوں نے اضاخیل بالا کے قریب مہاجرین افغانستان کے ایک بڑے کیمپ کا بھی معائنہ کیا اور ان لوگوں سے تبادلہ خیال کیا۔ دارالعلوم میں اچانک آنے کے باوجود سینکڑوں معتقدین بھی جمع ہو گئے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے تفصیلی تبادلہ خیالات اور ملاقات ہوئی۔ دارالعلوم کے نئے کتب خانہ کے ہال میں آپ کو عشائیہ دیا گیا۔ بعد از عشاء دارالحدیث میں جو سامعین سے بھرا ہوا تھا، معزز مہمان نے نہایت فاضلانہ خطاب فرمایا جسے الحق میں شائع کیا جا رہا ہے۔ رات دارالعلوم میں گذارنے کے بعد صبح سویرے حضرت مولانا مدظلہ العالی عازم اسلام آباد ہوئے۔

تعمیر دارالحفظ والتجوید کا آغاز | دارالعلوم میں ایک عرصہ سے حفظ و تجوید قرآن کریم کے لئے وسیع پیمانہ پر ایک مستقل شعبہ کے قیام کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی جہاں اس شعبہ کی کلاسیں اور رہائشی کمرے، بچوں کی تربیت وغیرہ کی ساری ضروریات موجود ہوں۔ اس سال بحمد اللہ اس شعبہ کے لئے ڈیڑھ کنال پر مشتمل ایک رقبہ حاصل کیا گیا اور ۹ ردسمبر بروز جمعۃ المبارک ۱۱ بجے صبح حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے اساتذہ و اراکین طلبہ کی موجودگی میں اس عمارت کا سنگ بنیاد اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا۔ تقریباً ڈیڑھ کنال پر پھیلے ہوئے اس بلاک کی تعمیر و تکمیل پر تقریباً

پانچ لاکھ روپے اخراجات کا تخمینہ ہے۔ اس کے دائیں جانب متصل عید گاہ ایک قطعہ دارالعلوم کے قبرستان کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ اس موقعہ پر حضرت شیخ الحدیث نے اس احاطہ کا سنگ بنیاد بھی رکھا۔ اس کی احاطہ بندی مکمل ہو گئی ہے۔ اب دارالحفظ والتجوید کی تعمیر کا کام نہایت تیزی سے جاری ہے۔

قرآن کریم کے حفظ واشاعت اور تجوید وقرأت کے اس مقدس شعبہ کی تعمیر میں جو اہل خیر اپنی استطاعت کے مطابق حصہ لینا چاہیں تو تا قیامت ان شاء اللہ صدقہ جاری حاصل کرنے کا ایک بہترین موقعہ ہے۔ شعبہ تجوید و حفظ کے لئے اسی سال ایک اور جید حافظ اور قاری کی تقرری بھی کی گئی ہے۔ جو فی الوقت دارالعلوم کی وسیع جامع مسجد میں مصروف تعلیم ہیں۔

ایک ہونہار طالب علم کی شہادت: ۴ر دسمبر بروز جمعرات دارالعلوم میں ایک حادثۂ فاجعہ پیش آیا۔ دارالعلوم کے ایک نہایت، با اخلاق دیندار اور ہونہار طالب علم مولوی محمد حنیف وزیرستانی (جو ابتداء سے یہاں زیر تعلیم تھے اور اس سال دورہ حدیث میں شریک تھے اور عنقریب فارغ التحصیل ہونے والے تھے) نماز فجر کی تیاری میں سڑک پار کرتے ہوئے ایک تیز رفتار کار کی زد میں آ گئے اور دماغ پر شدید چوٹیں لگیں۔ انہیں فوراً نوشہرہ سول ہسپتال پہنچایا گیا۔ اور کچھ دیر بعد مولانا سمیع الحق صاحب اور مولانا سلطان محمود نے ہسپتال پہنچ کر انہیں پشاور منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر مرحوم طالب علم نے راستہ ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کی میت ان کے آبائی گاؤں وزیرستان پہنچائی گئی۔ بعد میں دارالعلوم کے ایک معزز استاذ مولانا عبد الحلیم صاحب دیروی اور سرکردہ طلبہ تعزیت کے لئے ان کے گاؤں گئے۔ مرحوم طالب علم کے بوڑھے والد نے ایمان باللہ اور رضا بقضاء حادثہ کے ذمہ دار ڈرائیور کے عفو وصفح کا عجیب ایمانی مظاہرہ کیا۔ شہید طالب علم نہایت خاکسار مزاج کے مالک تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ساتھ خدمت کا نہایت قریبی تعلق رہا۔ حضرت کی مسجد میں رہتے اور حضرت مدظلہ اور مولانا سمیع الحق صاحب بھی انہیں بچوں کی طرح سمجھتے۔ ان کی اچانک وفات سے پورے حلقہ دارالعلوم کے طلباء اور اساتذہ کو صدمہ پہنچا۔

امیر جہاد افغانستان کی آمد: افغانستان میں روس سے برسرپیکار جماعت حرکت انقلاب اسلامی کے امیر مولانا محمد نبی محمدی صاحب سفر حج وبلاد اسلامیہ سے واپس ہوتے تو مہاجرین و مجاہدین نے دارالعلوم حقانیہ میں استقبال کا فیصلہ کیا۔ اور اطراف واکناف سے سینکڑوں کی تعداد میں دارالعلوم پہنچ گئے۔ ۲ بجے مولانا محمد نبی صاحب امیر المجاہدین اپنے ساتھیوں اور ایک دوسرے مقتدر رہنما مولانا نصر اللہ خان کی معیت میں دارالعلوم پہنچے۔ استقبال کے لئے جمع ہونے والے مجاہدین اور مہاجرین سے موثر خطاب کیا۔ اور سب سے پہلے دارالعلوم میں آمد کو اپنے لئے فال نیک قرار دیا۔ اور اسے علم وہدایت اور جہاد و دعوت کا اہم ترین سرچشمہ قرار دیا اور کہا کہ آج اسی ادارہ کے فیض سے افغانستان میں علماء اور طلباء مصروف جہاد ہیں۔ انہوں نے

مولانا محمد علی صاحب مدرس دارالعلوم اور مولانا مفتی محمود صاحب کی وفات پر اظہار افسوس کیا۔ اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی صحت کے لئے دعا کی۔ اس موقع پر دارالعلوم کی طرف سے مولانا سمیع الحق صاحب نے استفہامیہ کلمات کہے۔

متفرقات | ۳۱ دسمبر دارالعلوم کے سہ ماہی امتحانات شروع ہوئے۔

★ ۲۸ر مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق نے لوسر شفوواہ کینٹ میں جمعیۃ طلباء اسلام کی دعوت پر مولانا مفتی محمود صاحب کی یاد میں منعقدہ ایک تعزیتی تقریب میں شمولیت کی۔

اس ماہ بھی حسب سابق دارالعلوم میں مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے متعدد حضرات نے قدم رنجہ فرمایا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات کی اور دارالعلوم کا معائنہ فرمایا۔ ان میں مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچی۔ جناب مولانا پیر کرم شاہ الازہری۔ جناب حاجی فقیر محمد صاحب سابق وفاقی وزیر۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب۔ جناب مولانا کوثر نیازی صاحب سابق وفاقی وزیر۔ جناب عزیز بھٹی صاحب سابق ایم۔ این۔ اے جناب مولانا محمد بنوری صاحب۔ جناب ڈاکٹر عبدالواحد صاحب۔ ہالے پوتا صاحب اسلام آباد۔ جناب مولانا زاہد الحسینی صاحب۔ جناب سید پرویز صاحب جوائنٹ سیکرٹری وزارت مذہبی امور اسلام آباد۔

★ جنوری کے دوسرے ہفتہ میں ریڈیو پاکستان پشاور نے دارالعلوم آکر حالات ریکارڈ کرائے حضرت شیخ الحدیث اور دیگر حضرات کے انٹرویو بھی لئے جسے دوسرے دن ریڈیو پاکستان پشاور نے پورے آدھا گھنٹہ میں نشر کیا۔

BERGER BERGER BERGER

ABC
دیس دیس ہے بھائی نئی خوبیاں لائی
ABC Topnit
یاد رکھئے: اے بی سی ٹاپ نِٹ کی قیمت 64 روپے فی پیکٹ مقرر ہے
نہ کم قیمت کے لالچ میں دھوکا کھائیے، نہ ولایتی سمجھ کر زیادہ قیمت دیجئے
ثناءاللہ وولن ملز لیمیٹڈ ایس آئی ٹی ای کراچی
adcom
382-8